اس کا پتہ واقف کاروں سے رجوع کر کے چلایا جاسکتا ہے۔ تو اس قبرستان کی جگہ کو مسجد کی توسیع میں استعمال کرسکتے ہیں۔ (شامی- 1/ 667، عمدۃ القاری- 4/ 179 بحوالہ احسن الفتاوی-6/409)

س: اگر بچوں کی تاریخ پیدائش پر قرآن خوانی کرا کے دعا کرائی جائے اور خاندان کے لوگوں کے لئے طعام کا انتظام کیا جائے، اور کوئی خلاف شرع کام نہ کیا جائے اور اس میں یہ نیت ملحوظ رکھی جائے کہ اس سے خلاف شروع رسوم سے بچنے میں مدد ملے گی اور ساتھ ہی خوشی منانے کا موقع بھی ملے گا تو کیا یہ بھی ناجائز ہوگا؟

ج: آپ کے جذبات کی ہم قدر کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لئے سب سے بہتر اسوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف صالحین کا طرز عمل ہے اور یوم پیدائش کسی بھی انداز سے ان حضرات نے نہیں منایا، یہ خالص مغرب کی دین ہے، لہٰذا تاریخ پیدائش کی خوشی کسی بھی انداز سے منائی جائے اس میں مغربی تہذیب سے تاثر ضرور ہوگا لہٰذا اس کا کسی بھی انداز سے منانا مناسب نہیں ہے، اگرچہ زیادہ قباحت تبھی ہوگی جب اس کے سارے لوازم کے ساتھ منایا جائے۔

(مستفاد از کتاب الفتاویٰ-6/292)

بقیہ......مسلمانوں کی حالت زار

ہمیں اگر اتباع کرنی ہے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی ہے، حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اتباع کرنی ہے، قرآں وسنت کی پیروی کرنی ہے، ہمیں ہر موڑ پر یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کا ہم سے کیا مطالبہ ہے، احادیث نبویہ علی صاحبہا الف الف تحیہ وسلام کا ہم سے کیا مطالبہ ہے؟ خود اپنا قبلہ بھی درست کرنا ہے اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی سلگتی آگ کی طرف جانے سے روکنا ہے، یہی سب سے بڑی خیر خواہی ہے، کیونکہ خدا نے امت مسلمہ کو پیدا ہی اسی لئے کیا ہے کہ وہ دوسروں تک خدا کا دین پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ اگر ایسا نہ کیا تو ہمارے خسارے میں کوئی شک نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”خدائے بلند برتر نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایسی ایسی بستی کو الٹ دو، حضرت جبرئیل نے کہا پروردگار ان میں تو تیرا ایک ایسا نیک بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکانے کی حد تک بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی ہے۔ پروردگار نے فرمایا، ہاں! جبرئیل بستی کو اس پر بھی الٹا دو اور دوسروں پر بھی، اس لئے کہ ان بستیوں میں علی الاعلان میری نافرمانی ہوتی رہی اور اس کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی۔“ (مشکوٰۃ شریف)

❖❖❖

بقیہ......تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا...

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق کے موقع پر خود بنفس نفیس مٹی ڈھو رہے تھے۔ اس مٹی نے جسم مبارک کو بھی گرد آلود کر دیا تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ توفیق نہ دے، تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے...... یا اللہ! ہم پر سکینت نازل فرمایئے اور جنگ میں ہمیں ثابت قدمی عطاء فرمایئے۔

اب آخری شعر ملاحظہ فرمائیں۔ جو اس منظر کی ”جان“ ہے۔

ان الاُلیٰ قد بغوا علینا
اذا ارادوا فتنۃ ابینا

یہ ہمارے دشمن ہم پر ظلم کرنے کو چڑھ آئے ہیں۔ یہ اگر ہمیں فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ یعنی ہمیں اپنے دین سے ہٹانا چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے صاف انکار ہے۔

شعر کے آخری الفاظ...... ابینا ابینا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھتے کہ ...... اے دین کے دشمنو! ہم تمہارے دباؤ میں آنے سے انکار کرتے ہیں۔ انکار کرتے ہیں۔ انکار کرتے ہیں۔ ہم دین چھوڑنے اور فتنہ میں پڑنے سے انکار کرتے ہیں۔ انکار کرتے ہیں۔

اے دین کے دیوانو! کہہ دو: ابینا ابینا......

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

کچھ اہم و مفید مطبوعات

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	بچوں کی قصص الانبیاء حصہ سوم 15/-	اسلام کیا ہے؟ (اردو) 30/-
کاروان زندگی حصہ اول (نیا ایڈیشن) 100/-	بچوں کی قصص الانبیاء حصہ چہارم 12/-	اسلام کیا ہے؟ (ہندی) 35/-
کاروان زندگی حصہ دوم (نیا ایڈیشن) 90/-	ہمارے حضورؐ (اردو) 15/- ہمارے حضورؐ (ہندی) 20/-	دین وشریعت 70/-
کاروان زندگی حصہ سوم 80/-	موج تسنیم (اردو) زیر طبع	ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت 70/-
کاروان زندگی حصہ چہارم 90/-	مناجات ہاتف 10/-	قادیانی مسلمان نہیں 25/-
کاروان زندگی حصہ پنجم 80/-	دیار حبیبؐ 5/-	آپ حج کیسے کریں؟ (نیا ایڈیشن) 40/-
کاروان زندگی حصہ ششم (نیا ایڈیشن) 90/-	از مخدومہ خیر النساء بہترؒ	آپ حج کیسے کریں؟ (ہندی) (نیا ایڈیشن) 45/-
کاروان زندگی حصہ ہفتم 80/-	حسن معاشرت (نیا ایڈیشن) 15/-	درس قرآن 200/-
مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی (نیا ایڈیشن) 40/-	کلید باب رحمت 6/-	دیگر مصنفین کرام کی تصانیف
حج کے چند مشاہدات 6/-	ذائقہ (نیا ایڈیشن) 15/-	تذکرہ حضرت سید احمد شہیدؒ 45/-
خواتین اور دین کی خدمت 25/-	ذکر خیر 〃 15/-	مکتوبات مفکر اسلامؒ (اول) 80/-
کاروان ایمان وعزیمت (نیا ایڈیشن) 35/-	از: حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ	مکتوبات مفکر اسلامؒ (دوم) 120/-
دعائیں 10/-	لبیک اللّٰھم لبیک 30/-	(مولانا سید محمد حمزہ حسنی صاحب)
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ (نیا ایڈیشن) 90/-	سوانح حضرت مولانا خلیل سہارنپوریؒ 50/-	تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ 35/-
سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا	سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ 150/-	سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ 30/-
کاندھلویؒ (نیا ایڈیشن) 90/-	زبان کی نیکیاں 15/-	(مولانا محمد الحسنیؒ)
نبی رحمتؐ (نیا ایڈیشن) 200/-	گلدستہ حمد وسلام 6/-	بشریت انبیاء (نیا ایڈیشن) 40/-
سیرت سید احمد شہیدؒ (دوجلدیں) 200/-	کلام ثانیؒ زیر طبع	ذکر رسولؐ 〃 55/-
تاریخ دعوت وعزیمت (پانچ جلدیں) 355/-	از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ	مولانا محمد علی جوہر 〃 175/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر 70/-	دو مہینے امریکا میں 90/-	(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)
اپنے گھر سے بیت اللہ تک 25/-	جزیرۃ العرب 70/-	کتاب النحو (حافظ عبدالرحمٰن امرتسریؒ) 18/-
از: محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ	حج ومقامات حج 35/-	کتاب الصرف 〃 20/-
زاد سفر دوجلدیں (نیا ایڈیشن) 150/-	امت مسلمہ 70/-	بریلوی فتنہ کا نیا روپ (مولانا عارف سنبھلی) 40/-
باب کرم (نیا ایڈیشن) 12/-	سماج کی تعلیم وتربیت 45/-	تاریخ میلاد (حکیم الشکور) 30/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ اول 15/-	از: حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	مقالات سیرت (ڈاکٹر قدوائی) 30/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ دوم 14/-	معارف الحدیث (مکمل آٹھ جلدیں) 870/-	سیرت صدیقؓ (حبیب الرحمٰن شیروانی) 25/-

مکتبہ اسلام ۲/۵۴-۱۷، محمد علی لین گوئن روڈ، لکھنؤ-۱۸
فون نمبر دفتر: 2270406
فون نمبر رہائش: 2229174

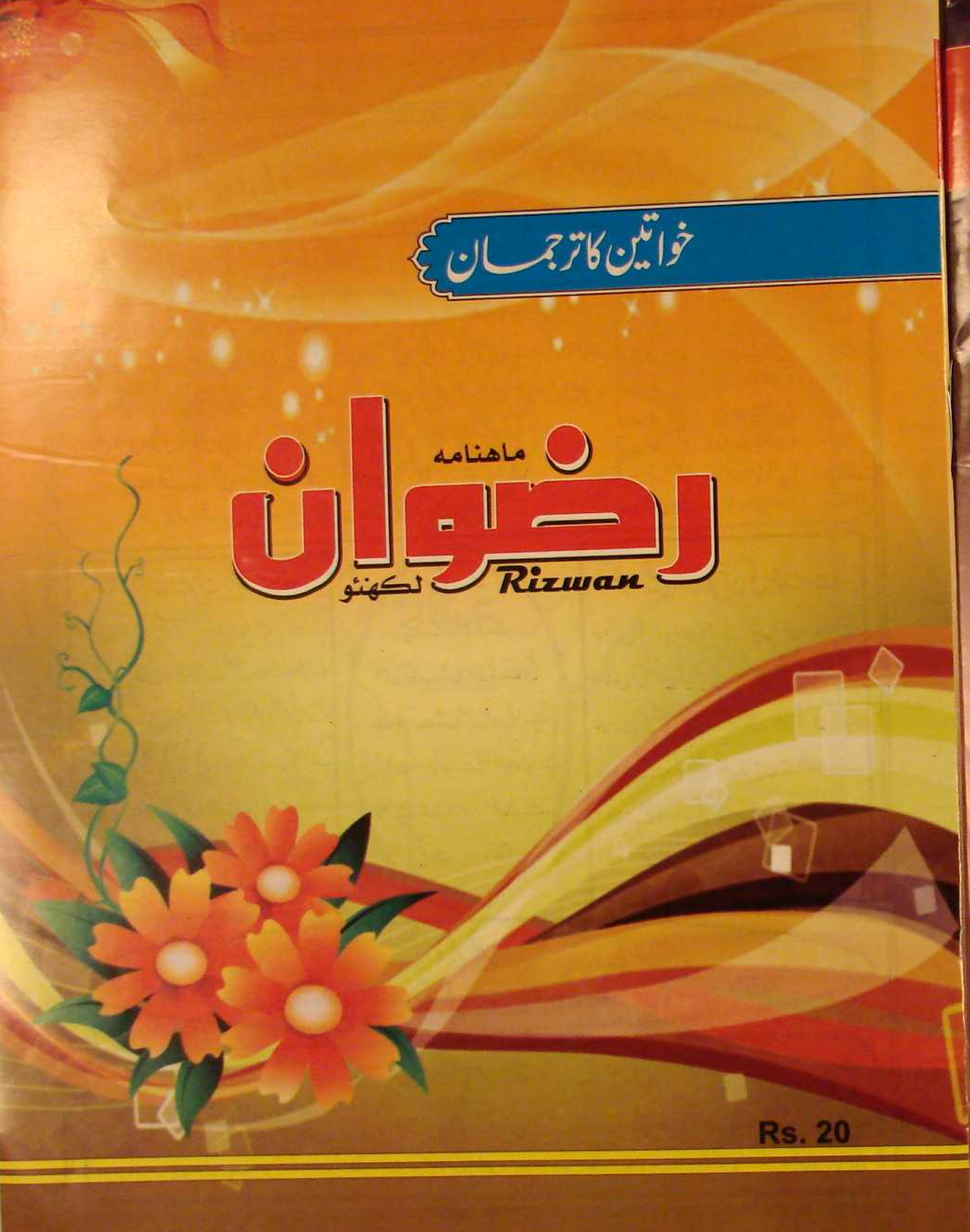

خواتین کا ترجمان
ماهنامه
رضوان
Rizwan
لکھنؤ
Rs. 20

LW/NP-184/2015-17 R. N. 2416/57
Rs. 20
Monthly
RIZWAN
172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow. Pin
Ph: 0522-2270406 Mob: 9415911511
KAFZOL
کف زال
شکر
شوگر کی کامیاب ترین دوا
قدرتی جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ دوا۔
پیشاب سے شکر کو ختم کرکے خون میں شکر کو کنٹرول رکھتی ہے۔
Nashkur
Batina
HASANI PHARMACY
بطینا
قبض اور گیس کی کامیاب دوا
قبض، گیس، بھوک نہ لگنا۔
جلن، گرانی اور دیگر خرابیوں کیلئے
بیحد مفید چورن۔
استعمال کریں، آرام پائیں۔
لیکوڈین
لیکوریا و جریان میں بیحد مؤثر
KABIDOON
کبدون
INDAMOOL
اندامول
گہرے زخم پھوڑوں کا لاجواب مرہم
صبا کا آملہ
بالوں کا بہترین محافظ
برنیسال
برنیسال کے تین اہم فوائد
1. سوزش اور جلن میں فوراً ٹھنڈک پہنچائے۔
2. زخم کو جلدی ٹھیک کرے، نشان نہ پڑنے دے۔
3. ہر طرح کے مضر اثرات سے پاک ہے۔
BURNISOL
زوزامین
صبا کا ہیئر آئل
HASANI PHARMACY
177/41 GWYNNE ROAD, LUCKNOW-226 018
PH. (O) 202677, (R) 229174, M : 98380 23223
E-mail:hrhamid1962@gmail.com
Designed by Hamid, Mob:9889654027,9918687777, E-mail:hrhamid1962@gmail.com

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی مقبول و معروف کتابیں

سوانح حیات .... کاروانِ زندگی

ایک معلم، مصنف، مؤرخ، داعی اور رہنما کی سرگذشت حیات

جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات و تجربات، احساسات و تاثرات اور ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات و حوادث اور تحریکات و شخصیات کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح گھل مل گیا ہے کہ وہ ایک دلچسپ و سبق آموز آپ بیتی اور ایک مؤرخانہ و حقیقت پسند جگ بیتی بن گئی ہے اور چودہویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ و سرگذشت کا ایک اہم باب محفوظ ہو گیا ہے۔

● ایک تاریخی دستاویز ● ادبی مرقع ● دعوت فکر و عمل

فوٹو آفسیٹ کی بہترین کتابت و طباعت سے آراستہ

قیمت حصہ اول	(اردو ایڈیشن)	100/-
قیمت حصہ دوم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ سوم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت حصہ چہارم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ پنجم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت حصہ ششم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ ہفتم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت مکمل سیٹ	(کاروان زندگی)	610/-

کاروان ایمان و عزیمت

قافلہ مجاہدین یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد سے تعلق رکھنے والے اصحاب علم و فضل و عزیمت کا تذکرہ جس سے مسلمانوں کی تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک روشن باب سامنے نظر آتا ہے۔

خوبصورت کتابت و طباعت

قیمت 35/-

حج کے چند مشاہدات

اس کتاب میں مولاناؒ نے حج کے بارے میں جس طرح اپنے تاثرات و مشاہدات کا اظہار کیا ہے وہ اپنے انداز کا مؤثر اظہار ہے۔

قیمت 6/-

خواتین اور دین کی خدمت

خواتین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے دینی و سماجی فرائض کیا ہیں، وہ کس طرح دین کی خدمت کر سکتی ہیں، آخر میں مولاناؒ کی والدہ ماجدہ کے وہ تربیتی خطوط ہیں جو انھوں نے مولاناؒ کے نام ان کی تعلیم کے دوران لکھے تھے۔

قیمت 25/-

ذکرِ خیر

حضرت مولاناؒ کی والدہ ماجدہ کے حالات زندگی، خود حضرت مولاناؒ کے قلم سے۔ قیمت 15/-

سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ

عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، انداز تربیت، توازن و جامعیت، تعلق مع اللہ، خلوص و محبت، فیض و تاثرات اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز تذکرہ۔ قیمت مجلد 90/-

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد نمبر ۵۹ — شمارہ نمبر ۹

ستمبر ۲۰۱۵ء

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان	:	۲۰۰ روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک	:	۳۵ امریکی ڈالر
فی شمارہ	:	۲۰ روپے
لائف ٹائم خریداری	:	۵۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان
۲/۵۴، ۱۷، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے کاکوری آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ۵
- حدیث کی روشنی میں .... امۃ اللہ تسنیم ۶
- سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ...... حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ... ۸
- دعوتی کام کی اہمیت اور اس کی حکمت عملی ...... حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ۱۰
- آج دنیا کی ضرورت .... ترجمہ: ارشاد الرحمٰن ۱۶
- تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب! ...... علامہ سعدی ۲۰
- حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ .... مولانا محمد جہان یعقوب ۲۲
- سنت نبوی کی اہمیت وفضیلت .... مولانا مسعود عظمت ۲۵
- امام ابوحنیفہؒ کی فراست .... مفتی امانت علی قاسمی ۳۲
- مسلمانوں کی حالت زار .... متعلم محمد عادل علی خاں ۳۸
- سوال وجواب .... مفتی راشد حسین ندوی ۴۱-۴۲

اپنی بہنوں سے

رمضان المبارک کا مبارک مہینہ گزر گیا۔ اہل ایمان خواتین اور مردوں کو رحمتوں اور برکتوں سے شرابور کرگیا اور اس کے بعد عیدالفطر میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہوئی۔ قسمت والوں کی صحیح معاملہ میں عید ہوگئی۔

اب ذوالحجہ کا مہینہ آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر جانے والے حجاز مقدس کا رخ کررہے ہیں، عمروں اور طوافوں کی بہار آرہی ہے اللہ تعالیٰ کے بندے اپنا گھر بار چھوڑ کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی گلیوں اور راستوں میں چل رہے ہیں اور اپنے مقدر پر نازاں، فرحاں لبیک اللہم لبیک پڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی عبدیت کا اقرار کررہے ہیں۔

ایسے پرنور ماحول اور ایسی روحانی فضا میں حج کے مسافروں کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بچنے کی کوشش کرنا اور اس راستہ میں اللہ کے ایک ایک حکم پر عمل کرنا اور رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر چلنا اپنی زندگی کا مقصد بنانا ضروری سمجھنا چاہئے۔

حج کے تمام آداب اور زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو آداب ہیں ان کا ہمہ وقت خیال رکھنا بہت ضروری ہے خطرہ ہے کہ ذرا سی بے ادبی سے حج کا مقصد نہ فوت ہوجائے، اور بجائے ثواب کے گناہ لازم نہ آجائے۔

حدیث کی روشنی میں

امۃ اللہ تسنیم

قناعت

غنی وہ ہے جو دل کا غنی ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دولت و استغنا مال کی کثرت سے نہیں ہوتا۔ دولت دل کی دولت ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوش نصیب ہے وہ جو اسلام لایا اور ضرورت بھر سامان رکھتا ہے اور جو کچھ اللہ نے اس کو دیا اس پر قانع ہے۔ (مسلم)

ایک صحابی کا کسی سے کچھ نہ لینے کا عہد اور اس کی پابندی

حضرت حکیمؓ ابن حزام سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ نے مجھے دیا، میں نے پھر مانگا آپ نے دیا۔ پھر مانگا پھر آپ نے دیا اور فرمایا اے حکیم یہ مال سرسبز ہے، جو اس کو بے پرواہی کے ساتھ لے گا تو اس میں برکت ہوگی۔ اور جو نفس کی طمع کے ساتھ لے گا تو برکت نہ ہوگی۔ اور یہ مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اونچا ہاتھ نیچے سے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، میں زندگی بھر آپ کے بعد کسی سے کچھ شے لے کر اس کے مال میں کمی نہیں کروں گا۔

حضرت ابوبکرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت حکیمؓ کو بلاتے تھے اور ان کو کچھ دینا چاہتے تھے تو وہ انکار کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو دیا، انہوں نے ان سے بھی انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے مسلمانو! میں تم کو حکیمؓ کے معاملہ میں گواہ کرتا ہوں کہ میں ان کو وہ حق دیتا ہوں جو مال غنیمت میں ان کے لئے رکھا ہے اور یہ انکار کرتے ہیں۔

حضرت حکیمؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وفات پانے تک کسی سے کچھ نہیں لیا۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو موسیٰ کا اپنے جہاد کا تذکرہ کر کے پشیمان ہونا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ ایک اونٹ تھا اس پر یکے بعد دیگر سوار ہوتے تھے۔ لوگوں کے پاؤں میں سوراخ ہو گئے اور میرے پاؤں کے تو ناخن تک گر گئے تھے تو ہم لوگوں نے پیروں پر چیتھڑے باندھ لئے۔ اس لئے اس غزوہ کا نام "ذات الرقاع" رکھ دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بیان کر کے ابو موسیٰؓ کو افسوس ہوا، میں نے یہ تذکرہ کیوں کیا، گویا انہوں نے اپنے نیک عمل کو ظاہر کرنا ناپسند کیا۔ (بخاری۔ مسلم)

دل کے غنی

حضرت عمرو بن تغلبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال یا قیدی آئے آپ نے اس طرح تقسیم کیا کہ بعض کو دیا اور بعض کو نہیں دیا، بعد میں آپ کو خبر ملی کہ جن کو نہیں دیا وہ ناراض ہیں، آپ نے اللہ کی تعریف اور ثنا بیان کی، پھر فرمایا خدا کی قسم میں بعض کو دیتا ہوں اور بعض کو نہیں، وہ مجھے زیادہ محبوب ہے اُس شخص سے جس کو دیتا ہوں، لوگوں کو اس وقت دیتا ہوں جب ان کے دلوں میں گھبراہٹ اور بے چینی پاتا ہوں، جن کو نہیں دیتا ان کو اس اطمینان پر نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا دل

غنی کر دیا ہے اور خیر رکھی ہے، انہیں میں عمرو بن تغلبؓ ہیں، حضرت عمرو بن تغلبؓ کہتے ہیں، خدا کی قسم مجھے حضورؐ کی یہ بات سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری)

اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے

حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کی ابتدا اُس سے کرو جس کے تم ذمہ دار ہو اور بہتر صدقہ وہ ہے جو اپنے لئے بقدر ضرورت رکھ کر دیا جائے، اور جو خوددار رہنا چاہے گا اللہ اس کو خوددار رکھے گا، جو غنی رہنا چاہے گا اللہ اس کو غنی رکھے گا۔ (مسلم)

پیچھے پڑ کر سوال کرنا

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لگ لپٹ کر نہ مانگو، خدا کی قسم اگر تم میں سے کوئی مجھ سے مانگے گا اور میں اس کو ناراض ہو کر دوں گا تو اس میں برکت نہ ہوگی۔ (مسلم)

کسی سے سوال نہ کرنے پر بیعت

حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ ہم آٹھ نو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہیں کرتے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو آپ کے ہاتھ پر ابھی ابھی بیعت کر چکے ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیوں نہیں کرتے؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، اب کس بات پر کریں، آپ نے فرمایا اس بات پر کہ اللہ کی عبادت کرو گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، پانچوں نماز کا خیال رکھو گے، اللہ کی اطاعت کرو گے اور ایک بات چپکے سے کہی وہ یہ کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگو گے (راوی کہتے ہیں) میں نے انہیں میں سے بعضوں کو دیکھا ہے کہ اگر اُن کا کوڑا بھی گر جاتا تو وہ کسی سے اُٹھانے کو نہیں کہتے تھے کہ یہ بھی سوال میں داخل ہے۔ (مسلم)

سائل کے چہرے پر قیامت میں گوشت نہ ہوگا

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض آدمی برابر سوال کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی حالت میں حاضر ہوں گے کہ ان کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔ (ب۔م۔)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے صدقہ اور سوال سے بچنے کو فرمایا، اور فرمایا اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے، اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے، اونچا ہاتھ دینے اور نیچا ہاتھ لینے والا ہوتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

جمع کرنے کیلئے مانگنا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں سے جمع کرنے کے لئے مانگتا ہے وہ آگ کی چنگاری مانگتا ہے، اس کو اختیار ہے کہ زیادہ چنگاریاں جمع کرلے یا کم۔ (مسلم)

مانگنے کی اجازت کب ہے؟

حضرت سمرہؓ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال آدمی کے چہرے کو چھیل دیتا ہے مگر یہ کہ آدمی مسلمان حاکم سے مانگے اور ضرورت پڑنے پر مانگے۔ (ترمذی)

اللہ کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرنا

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو کوئی فاقہ پیش آئے، اگر وہ اس فاقہ کو لوگوں کے سامنے پیش کرے تو اس کا فاقہ زائل نہ ہوگا۔ اور اگر اللہ کے سامنے پیش کرے گا تو اس کو جلد یا بدیر رزق عطا ہوگا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

□□□

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ

سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام موجودہ دور کے مسلمانوں کے نام

سب جانتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، دنیا کچھ ویران اور کوئی قبرستان نہ تھی، زندگی کا چکر جس طرح اس وقت چل رہا ہے، بہت تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس وقت بھی چل رہا تھا، سارے کاروبار آج کی طرح ہو رہے تھے، تجارت بھی تھی، زراعت بھی تھی، اور حکومتوں کا نظام چلانے والے اور ان کی مشنری میں فٹ ہونے والے بھی موجود تھے، اس وقت کی دنیا کے لوگ اس زندگی پر بالکل قانع اور مطمئن تھے اور ان کو اس میں کسی ترمیم یا اصلاح یا تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنی زمین کا نقشہ اور دنیا کی یہ حالت بالکل پسند نہ تھی، حدیث میں اس زمانہ کے متعلق ہے:

"ان اللہ نظر الی اھل الارض فمقتھم عربھم وعجمھم الا بقایا من اھل الکتاب۔"

(اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی، اس نے روئے زمین کے تمام باشندوں، کیا عرب، کیا عجم سب کو بے حد ناپسند فرمایا اور وہ ان سے بیزار ہوا، سوائے اہل کتاب کے چند افراد کے)۔

ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک پوری قوم کے ظہور کا سامان کیا، ظاہر ہے کہ ان کو کسی ایسے مقصد کے لئے پیدا کیا تھا جو دوسری قوموں سے پورا نہیں ہو رہا تھا، جو کام وہ سب پورے انہماک اور شوق کے ساتھ انجام دے رہے تھے، اس کے لئے ظاہر ہے کہ کسی نئی امت کو پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی اور انسانی زندگی کے اس پرسکون سمندر میں اس نئے تلاطم کی حاجت نہ تھی، جو مسلمانوں کے وجود سے ظہور میں آیا اور جس نے زمین میں ایک زلزلہ ڈال دیا، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ تسبیح و تقدیس کے لئے ہم نیاز مند بہت کافی ہیں، اس کے لئے اس خاکی پتلہ کو پیدا کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (**انی اعلم مالا تعلمون**) گویا اشارہ فرمایا (اور آگے چل کر واضح کر دیا) کہ آدم علیہ السلام صرف اسی کام کے لئے پیدا نہیں ہوئے جو ملائکہ انجام دے رہے ہیں، ان سے خدا کو کچھ اور کام لینا ہے۔

اگر مسلمان صرف تجارت کے لئے پیدا کئے جا رہے تھے تو مکہ کے ان تاجروں کو جو شام و یمن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور مدینہ کے ان بڑے بڑے یہودی سوداگروں کو جن کے بڑے بڑے گڑھ بنے ہوئے تھے، یہ پوچھنے کا حق تھا کہ اس خدمت کے لئے ہم گنہگار کیا کم ہیں کہ اس کے لئے ایک نئی امت پیدا کی جا رہی ہے، اگر زراعت مقصود تھی تو مدینہ اور خیبر کے، طائف اور نجد کے، شام اور یمن اور عراق کے کاشتکاروں اور زراعت پیشہ آبادی کو یہ پوچھنے کا حق تھا کہ کاشتکاری اور زراعت میں ہم محنت و کوشش کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھتے ہیں کہ جس کے لئے ایک نئی امت کی بعثت ہو رہی ہے، اگر دنیا کی چلتی ہوئی مشنری میں صرف فٹ ہونا تھا اور حکومتوں کے نظم و نسق اور دفتری کاروبار کو معاوضہ لے کر چلانا تھا تو روم و ایران کے کارپردازان سلطنت کو یہ کہنے کا حق تھا کہ اس فرض کی انجام دہی کے لئے ہم بہت ہیں اور ہمارے بہت سے بھائی بے روزگار ہیں، اس کے لئے نئے امیدواروں کی کیا ضرورت ہے؟

لیکن درحقیقت مسلمان بالکل ہی ایک نئے اور ایسے کام کے لئے پیدا کئے جا رہے تھے جو دنیا میں کوئی نہ انجام دے رہا تھا اور نہ انجام دے سکتا تھا، اس کے لئے ایک نئی امت ہی کی بعثت کی ضرورت تھی، چنانچہ فرمایا:

(کنتم خیر امۃ اخرجت للناس

تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ) (آل عمران / 110)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان لاتے ہو)۔

اسی مقصد کی خاطر لوگ وطن سے بے وطن ہوئے، اپنے کاروبار کو نقصان پہنچایا، اپنا عمر بھر کا اندوختہ لٹایا، اپنی جمی تجارتوں پر پانی پھیرا، اپنی کھیتی باڑی اور باغات کو ویران کیا، اپنے عیش وتنعم کو خیر باد کہا، دنیا کی تمام کامیابیوں اور خوشحالیوں سے آنکھیں بند کرلیں، اور زریں موقعے کھو دیئے، پانی کی طرح اپنا خون بہایا اور اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ کیا، ان مقاصد و مشاغل کے لئے جن پر آج مسلمان قانع نظر آتے ہیں، اس ہنگامہ آرائی اور اس محشر خیزی کی ضرورت نہ تھی، اس کے حصول کا راستہ تو بالکل بے خطر اور ہموار تھا اور اس راستہ پر معاصر دنیا سے کوئی بڑی کشمکش اور تصادم نہیں تھا اور نہ یہ اہل عرب اور دنیا کی دوسری قوموں کے لئے وجہ شکایت تھی، انہوں نے تو بار بار انہیں چیزوں کی پیشکش کی (جو آج عام مسلمانوں کا منتہا ہے) اور ہر بار اسلام کے داعی نے ان کو ٹھکرایا، دولت وسرداری، عیش وعشرت اور راحت وتن آسانی کی بڑی پیشکش کو نامنظور کیا، پھر اگر مسلمان کو اسی سطح پر آجانا تھا جس پر زمانہ بعثت کی تمام کافر قومیں تھیں، اور اس وقت بھی دنیا کی تمام غیر مسلم آبادی ہے اور زندگی کے انہیں مشاغل میں منہمک اور سرتاپا غرق ہو جاتا تھا، جن میں اہل عرب اور رومی و ایرانی ڈوبے ہوئے تھے اور انہیں کامیابیوں کو اپنا منتہائے زندگی بنالینا تھا جن کو ان کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے بہترین موقع پر رد کر چکے تھے، تو یہ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر پانی پھیر دینے کے مرادف ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ انسانوں کا وہ بیش قیمت خون جو بدر وحنین واحزاب اور قادسیہ ویرموک میں بہایا گیا، بے ضرورت بہایا گیا۔

آج اگر سرداران قریش کو کچھ بولنے کی طاقت ہو تو مسلمانوں کو خطاب کرکے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم جن چیزوں کے پیچھے سرگرداں ہو اور جن چیزوں کو تم نے اپنا حاصل زندگی سمجھ رکھا ہے انہیں چیزوں کو ہم گنہگاروں نے تمہارے پیغمبر (علیہ الصلوۃ والسلام) کے سامنے پیش کیا تھا، وہ تمام چیزیں اس وقت خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر حاصل ہو سکتی تھیں، تو کیا ساری جدوجہد کا حاصل اور ان تمام قربانیوں کی قیمت وہ طرز زندگی ہے، جس کو تم نے اختیار کیا ہے اور زندگی واخلاق کی وہی سطح ہے جس پر تم نے قناعت کرلی ہے، اگر ان سرداران قریش میں سے جو اسلام کے حریف تھے، کسی کو جرح کرنے کا موقع ملے تو آج ہمارا کوئی بڑی سے بڑا لائق وکیل بھی اس کا تشفی بخش اور مسکت جواب نہیں دے سکتا اور امت کے لئے اس پر شرمندہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے متعلق یہی خطرہ تھا کہ وہ دنیا میں پڑ کر اپنا مقصد نہ بھول جائیں، اور دنیا کی عام سطح پر نہ آجائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب جو تقریر فرمائی اس میں مسلمانوں کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا:

"ما الفقرا اخشیٰ علیکم ولکن اخشی ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا فتھلکم کما اھلکتھم۔" (بخاری ومسلم)

(مجھے تمہارے بارے میں فقر وافلاس کا خطرہ نہیں ہے، مجھے تو اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا میں تم کو وہی کشائش نہ حاصل ہو جائے جیسی تم سے پہلے لوگوں کو حاصل ہوئی، تو تم بھی اسی طرح اس میں حرص ومقابلہ کرو جیسے انہوں نے کیا تو تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسے ان کو ہلاک کیا)۔

مدینہ کے انصاریوں نے جب اس بات کا ارادہ کیا کہ جہاد کی مشغولیت اور اسلام کی جدوجہد سے کچھ دنوں کی فرصت حاصل کرکے اپنے باغوں، کھیتوں اور کاروبار کو درست کرلیں اور کچھ مدت کے لئے صرف اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کی اجازت حاصل کرلیں، یہ خطرہ بھی ان کے دل میں نہیں گزر سکتا تھا کہ وہ ارکان دین (نماز، روزہ، حج و زکوۃ) سے بھی کچھ دنوں کے لئے اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کے لئے اپنے آپ کو مستثنیٰ کرالیں، لیکن اسلام کی عملی جدوجہد اور دین کے فروغ اور اس کے غلبہ کی کوشش سے ان کی اس عارضی یکسوئی کو بھی خودکشی کا مرادف قرار دیا گیا اور سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی جس کی تفسیر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اس طرح کی ہے:

(بقیہ......صفحہ......۱۹......پر)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

دعوتی کام کی اہمیت اور اس کی حکمت عملی اور ہمدردی

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنے سے پہلے کی مسلمان امتوں پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ سابقہ امتوں میں انبیاء علیہم السلام کے بھیجے جانے کا سلسلہ قائم تھا، اللہ تعالیٰ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی بھیجتا تھا، جو دین صحیح کی دعوت کا کام کرتا تھا، ہر نبی کے امتی اپنے نبی کے کام میں ہاتھ بٹاتے تھے اور دعوت دین کے کام میں شرکت کرتے تھے، لیکن حضور مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں کا بھیجنا موقوف کیا گیا اور وہ کام جو پے در پے نبی بھیج کر کرایا جاتا تھا، چونکہ آخری نبیؐ کے آجانے سے دین مکمل ہوگیا اس کی رو سے آخری نبی کے لائے ہوئے آخری پیغام خداوندی کو قیامت تک جاری رہنا ہے، اس لئے اب جو کام ہونا تھا وہ اسی دین کے اندر ہونا تھا، لہٰذا اس کے لئے اب آپ کے بعد قیامت تک کی نیابت آپ کی امت کے سپرد کی گئی، قرآن مجید میں حکم آیا ہے:

(ولتكن منكم أمة يدعون الى الخير و يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر و أولئك هم المفلحون). (سورہ آل عمران: 104)

(تم میں ضرور ایک امت یعنی ایک بڑی تعداد میں لوگ ہونے چاہئیں جو دعوت الی الحق کا کام کریں، اچھی بات کا حکم دیں، بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے)۔

اور فرمایا:

(كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله) (آل عمران: 110)

(تم واقعتاً بہترین امت ہو، جو لوگوں یعنی سب انسانوں کے لئے بھیجی گئی ہے، تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور بری بات سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

اس آیت میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس امت کو بہتر امت قرار دے کر دیگر انسانوں پر مقرر کیا گیا ہے اور اس کی بناء پر وہ کام جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے لیتا تھا اس کی انجام دہی اس امت کے سپرد کی ہے پھر اس کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ تم یعنی اس امت کے افراد اللہ پر ایمان رکھتے ہو، یہ بات کہ تم بہترین امت اور تمام انسانوں کے لئے مامور کئے گئے ہو، اس سے ظاہر ہوا کہ اس امت کا بہترین یعنی بلند منصب رکھنے والی امت ہونا پھر نبیوں سے لئے جانے والے کام کی انجام دہی اس کے سپرد کیا جانا پھر ایمان کی صفت سے باقاعدہ متصف ہونا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے گئے ایمان و یقین سے آراستہ ہونا، یہ تین خاص پہلو ہیں جن کو نمایاں طریقہ سے بیان فرمایا گیا ہے، یہ بلند منصب اور اہم کام کی انجام دہی کی ذمہ داری وہ اہم مقابلہ اور کام ہے جو امت محمدیہ کے لئے دیگر امتوں کے مقابلہ میں تمغۂ امتیاز ہے لیکن یہ اسی وقت صحیح اور مطابق واقعہ ہوگا جب مسلمان اپنی ذمہ داری کو پورا کریں، یہ ذمہ داری دینی دعوت کا کام انجام دینے کی ہے، اور الحمد للہ مسلمانوں کے ہر دور میں اور ہر ملک میں

یہ کام کسی نہ کسی مقدار میں انجام دیا جاتا رہا ہے، بس فرق اگر کوئی ملتا ہے تو اس کی کمی بیشی کا، اور قرآنی اشاروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کام میں کمی بیشی کی بنیاد پر امت کے فروغ و عزت میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے، البتہ چونکہ اس امت کو تاریخ انسانی کی آخری اور معیاری امت قرار دیا گیا اسی لئے رب العالمین کی تابعداری کے سلسلہ میں جو کام ہوا، اس امت کے ذریعہ ہی ہوا، صرف جگہیں اور قومیں بدلتی رہیں، ایک علاقہ اور ایک قوم کے لوگون نے کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق اس قوم سے لے کر دوسری قوم کو عطا فرمادی، عربوں کو توفیق ملی، ان کے بعد پھر ایرانیوں کو، ترکستانیوں کو، کردوں کو، منگولوں کو، بربروں کو اور پٹھانوں کو اور مصریوں کو نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے، بہرحال مختلف زمانوں میں ان میں سے کوئی نہ کوئی قوم اسلام کی شوکت وعظمت کے کام میں نمایاں پیش رو بنتی رہی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی دکھادیا کہ ان کی عزت و عظمت دراصل اسلام کو تقویت پہنچانے اور اس کی خدمت سے وابستہ ہے، جو اس کو اس کے معیار کے مطابق اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عظمت و برتری عطا کرے گا، بصورت دیگر اللہ تعالیٰ اس کو ہٹا کر دوسروں سے یہ کام لے لے گا، چنانچہ اس کام کے طفیل میں کبھی دمشق کو عظمت ملی، کبھی بغداد کو، کبھی قرطبہ کو، کبھی قاہرہ کو، کبھی دہلی کو، پھر قوموں سے ہٹ کر افراد امت سے بھی خصوصی کام لیا گیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت حسن بصریؒ، سیدنا عبدالقادرؒ جیلانی، شیخ جلال الدین رومیؒ، حضرت معین الدینؒ چشتی، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور اسی طرح متعدد عظیم شخصیتوں کی کوششوں نے دین کی دعوت اور اصلاح امت کے لئے جو خدمات انجام دیں، اس کے ذریعہ دین کو وہ تقویت ملی جس کی ضرورت تھی، چنانچہ دین اپنی صحیح حالت میں جاری ہے، البتہ اس کے لئے کام کرنے والوں کے کاموں میں جو کمی بیشی ہوتی رہی اس کی وجہ سے دین کی عظمت و وسعت میں کمی بیشی ہوتی رہی، اسی کا اثر یہ رہا کہ کبھی دین اور دین کے داعیوں کی عظمت بڑھی ہوئی نظر آئی اور کبھی اس کی عظمت میں کمی نظر آئی، لیکن یہ دین کم وبیش طریقہ سے برابر قائم ودائم رہا اور قائم ہے، جس قوم اور جن افراد کو دعوت وتقویت دین کی توفیق حاصل ہوئی اس کو اس کے طفیل عزت و برتری ملتی رہی ہے، اور جو کوتاہی کرتا رہا اس کو زوال اور پسماندگی حاصل ہوتی رہی ہے، چنانچہ جب اور جہاں دعوت کا کام ڈھیلا پڑا اور کم ہوا یا متروک ہوا، وہاں اسی کے اعتبار سے مسلمانوں کی عزت کا مقام کم ہوا اور جہاں توجہ وفکر کی گئی وہاں اس کی عظمت و وسعت میں اضافہ ہوا۔

اندلس جو ایک جنت ارضی کے مانند تھا اور جہاں مسلمانوں کی علمی ودعوتی ترقی اس معیار کو پہنچی تھی کہ اس وقت ساری دنیا اس کو دیکھ کر مرعوب ومتاثر تھی اور یورپ کی موجود علمی و مادّی ترقیات کا آغاز وہیں کی خوشہ چینی سے ہوا، جس کو تمام ماہرین تاریخ علم وتمدن مانتے ہیں، وہاں کے مسلمانوں نے سب کچھ کیا تھا، لیکن دعوتی فریضہ انجام دینے میں شاید کمی کی تھی، اور وہ وہاں برابر چھوٹی ہی تعداد میں رہے اور جب اکثریت و اقلیت کے اصول کے دائرۂ اثر میں آئے تو اولاً مجبور و مقہور ہوئے پھر بالآخر ملک سے ہجرت کرنا پڑی، لیکن برصغیر ہند و پاک میں اگرچہ اندلس ہی کی طرح مسلمانوں کی حکومت سات سو سال رہی اور یہاں حکمرانوں نے عوام کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے طرح طرح کے سیکولر طریقے بھی اختیار کئے حتی کہ بعض بادشاہوں نے یہاں اکثریتی عوام کے مشرکانہ مذہب کی متعدد باتوں کو اسلام میں ملا کر ایک مشترک مذہب بھی بنایا، مزید یہ

کہ یہاں کے اکثریتی مذہب کے اہم لوگوں میں خسر داماد کے رشتے بھی قائم کئے لیکن اس کا نتیجہ غیروں کی طرف سے بجائے قدردانی کے آج یہ ہے کہ خوب گالیاں مل رہی ہیں اور مسلمان بادشاہوں کو ہندوؤں پر ظلم وتعدی کا مرتکب بتایا جارہا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہاں اندلس کے برعکس دین کے علمبرداروں اور داعیوں نے اپنی اپنی جگہ ملک میں پھیل کر دنیاوی اور سیاسی منافع سے الگ رہتے ہوئے جم کر دعوت کا کام کیا، آج انہیں کی برکت ہے کہ اس برصغیر میں مسلمانوں کی اچھی خاصی پوزیشن ہے اور دینی علمی کام ہے اور انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جب کہ اس برصغیر میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی کل تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہیں بنتی لیکن اب ان کی تعداد اس برصغیر میں چالیس بیالیس کروڑ ہے، 13-14 کروڑ ہندوستان میں، 26-27 کروڑ پاکستان وبنگلہ دیش میں، یعنی باہر سے آنے والوں کو دیکھتے ہوئے ایک اور دس ہزار کا فرق رکھتی ہے۔ یعنی ایک آدمی اگر باہر سے آیا ہوا ہوگا تو 9999 یہیں اسی ملک کے ہیں، ان میں سے کچھ تو وہ ہوں گے جو باہر سے آنے والوں کی نسل سے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر وہ لوگ ہیں جو اسلام کی محبت و انسانیت نوازی کی اداؤں کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی اولاد ہیں، دین کے علمبرداروں اور داعیوں کی بے لوث کوششوں کے اثر سے آج اس برصغیر میں مسجدوں کی تعداد لاکھوں تک ہوچکی ہے، اور مدرسے ومکاتب ہزاروں کی تعداد میں ہیں، جن سے علم دین کی شعاعیں قریب و دور پھیلتی رہی ہیں، حتیٰ کہ ان کا فیض برصغیر سے نکل کر ایشیا کے وسطی شمالی و مشرقی ملکوں تک پہنچتا رہا ہے اور امت اسلامیہ کے علوم دینیہ و ثقافیہ میں ان مسلمانوں کا جو وقیع حصہ ہے وہ بھی قابل فخر ہے، لہٰذا یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ دعوت کا کام مسلمانوں کا اصل امتیاز اور اہم ترین فریضہ ہے اور اس کام سے وابستگی سے ان کی بقاء وترقی وابستہ ہے، اسی کے ساتھ ایمان کی بھی وہ خصوصیات بھی ہونا ضروری ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے وہ مستحق ہوں، وہ عقیدہ کی بھی اور عملی بھی ہونے کی ضرورت ہے، یہ دونوں باتیں جس قدر ہوں گی کامیابی اور سرخروئی ملے گی اور جب اس میں کمی ہوگی، نقصان کا باعث ہوگی۔

دعوت کے کام میں جو اجر بتایا گیا وہ شاید ہی کسی اور عمل میں بتایا گیا ہوگا، دعوت کے نتیجہ میں جو کسی شخص کی اصلاح اور عمل صالح کو اختیار کرنے کی صورت پیدا ہوتی ہے اور عمل کرنے والے کو اس پر جو اجر و ثواب ملتا ہے، اس کے بقدر دعوت دینے والے کو بھی ملتا ہے، اس مضمون کی کئی حدیثیں آئی ہیں، دعوت وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ ایک آدمی صرف اپنے ہی عمل کے ثواب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ ان تمام لوگوں کے ثواب کا بھی مستحق بن جاتا ہے جو اس کے کہنے اور متوجہ کرنے سے حق قبول کرنے والے اور عمل خیر کرنے والے بن گئے وہ دو چار بھی ہوسکتے ہیں، سیکڑوں اور ہزاروں بھی ہوسکتے ہیں، اس طرح امت میں بعض حضرات کے ثواب کا اندازہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے، جن کی دعوت کے اثر سے ہزاروں اور لاکھوں کی اصلاح ہوئی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا ثواب حاصل ہورہا ہوگا، خود ان کے عمل کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، پھر ساری امت کے اعمال کے ثواب کے برابر بطور مزید ان کو ملے گا، چونکہ سب اصلاً ان ہی کی دعوت کا نتیجہ ہے۔

لیکن دعوت کا کام ایک طرف تو بڑے اجر وثواب کا کام ہے دوسری طرف یہ کام بڑی دانائی، حکمت عملی اور نفس کشی کا کام بھی ہے، اس کام کے ساتھ خود اپنے کو بھی معیار صلاح و احتیاط پر رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ بے عمل کی دعوت کا اثر مدعو پر بہت کم پڑتا ہے، اور اسی طرح

مدعو کے حالات و مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے حکمت وموقعہ محل کا لحاظ کرکے بات کرنا ہوتی ہے، اس سلسلہ میں اپنی راحت و پسند کی قربانی بھی دینا پڑتی ہے، ان باتوں کی رعایت کرنے پر بعض وقت بغیر کچھ کہے بھی اثر پڑ جاتا ہے، بعض وقت صاف طریقہ سے بات کہنے کے لئے مناسب وقت کے انتظار میں بڑا صبر کرنا پڑتا ہے اور نصیحت کرنے پر سخت وست بھی سننا پڑتا ہے، اور اس کو جھیلنا پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کام مشکل اور مجاہدہ کا کام بن جاتا ہے، لیکن اس کے لئے جو اجر بیان کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اس کا دھیان کرنے پر ساری زحمت کافور ہوجاتی ہے۔

مسلمانوں کو خیر وصلاح کی طرف دعوت دینے میں اتنی زحمت وحکمت کی ضرورت نہیں ہوتی جتنی غیر مسلموں کو حق کی راہ پر لانے میں ہوتی ہے، وہاں اس کام میں زیادہ حکمت عملی، خوش اخلاقی اور موقعہ محل کے لحاظ کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے نوسو پچاس سال محنت کی، اور توجہ وبرداشت کے ساتھ کام میں لگے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دہائی سے زیادہ وقت اس کام میں صرف کیا، طرح طرح کی ایذا رسانی برداشت کرنا پڑی، لیکن بہت دردمندی اور بردباری کے ساتھ کام میں لگے رہے، آپؐ پر گندگی پھینکی گئی اور آپ مشتعل نہیں ہوئے، آپ کو پاگل، جادوگر اور مفسد کہا جاتا اور آپؐ صبر وسکون کے ساتھ سب سنتے اور نظر انداز کرتے، پھر مستزاد یہ کہ کہنے والے خاندان کے ہی لوگ تھے، اور آپؐ خاندانی عزت واثر میں ان کہنے والوں سے کم بھی نہیں تھے، اگر چاہتے تو سخت جواب دیتے اور دانت کھٹے کردیتے لیکن آپؐ نے دعوت کی مصلحت کی خاطر برداشت کیا اور جب بھی موقعہ مناسب پایا، بڑے سے بڑے مخالف سے مل کر بہت خوش اسلوبی سے بات کہی، لیکن آخر میں جب ان عزیز واقارب نے مکہ میں آپ کا رہنا مشکل بنادیا تو اپنے پروردگار کی اجازت وحکم سے ہجرت فرمائی اور مکہ چھوڑتے ہوئے وطن عزیز کو خیرباد کہنے کا جو اثر طبیعت پر ہوتا ہے وہ برداشت کیا، جو آپ کے اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے، جو آپؐ نے وطن چھوڑتے ہوئے فرمایا کہ اے مکہ! ہم تم کو نہ چھوڑتے لیکن تمہارے رہنے والوں نے ہم کو رہنے نہیں دیا، مکہ آپ کا وطن ہی نہ تھا بلکہ کعبہ کی وجہ سے قلب ودماغ کا مرکز بھی تھا، لیکن دعوت دین کی خاطر آپؐ نے اس کو چھوڑا، کوئی کشمکش نہیں کی، اور نہ انتقام لینے کو سوچا، کیونکہ اس سے دعوت کا کام متاثر ہوتا، پھر مدینہ جاکر چند برس کی جدوجہد کے بعد صلح حدیبیہ یعنی نفس کشی کا کام کیا تاکہ دشمنوں کی دشمنی کچھ دنوں کے لئے موقوف کرسکیں، اور اس طرح مسلمان دین کی دعوت پرسکون اور آپسی ہمدردی کے ماحول میں پیش کرسکیں، چنانچہ اس کا غیر معمولی اثر پڑا کہ ان دو سالوں میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ اس سے قبل کی ساری مدت میں مسلمان ہونے والوں سے زیادہ تھے۔

جب معاشرہ مشترک طرز زندگی کا ہو، اور اقتدار اور حکومت کا اس سلسلہ میں مفید کردار ہو تو صرف محبت و ہمدردی اور دل سوزی ہی ذریعہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی اعلیٰ مثالیں ہیں، حق سے روگرداں لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو سرے سے مذہب ہی کو نہیں مانتے، جن کو دینی اصطلاح میں ملحد کہا جاتا ہے ان کو حق کی طرف مائل کرنے کے لئے مذہب کی خوبیوں اور برکتوں اور نعمتوں سے روشناس کرانا ہوتا ہے، ان کو بتانا ہوتا ہے کہ بے مذہب بے خدا ہونے کی صورت میں زندگی کس قدر خشک اور بے مزہ ہوجاتی ہے اور سکون قلب سے کس قدر دور ہوتی ہے ملحد کو ترغیب دینا ہوتا ہے کہ وہ مذہب کے تسکین

بخش ہونے کی صفت کو تجربہ کرکے تو دیکھیں، ذرا اس کو سمجھنے کی تو کوشش کریں، دوسری طرح کے روگرداں اشخاص وہ ہوتے ہیں جو مذہب کو تو مانتے ہیں اور خدا کو بھی مانتے ہیں لیکن راہ حق و دین صحیح سے منحرف ہوتے ہیں، وہ آخری نبی اور آخری دین کو نہ جاننے کی وجہ سے ان کو مانتے نہیں ہیں، خدائے واحد پر انحصار ان کے مذہب میں نہیں ہوتا، ایسے اشخاص کو دین حق سے قریب لانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ قریب ہوکر دین حق کا توحید و رسالت کا مطالعہ کرسکیں، اور اس کی خوبی سمجھ سکیں، ایسے اشخاص کے ساتھ محبت سے پیش آنا ہوتا ہے اور حسن سیرت سے ان کو اپنے سے قریب کرنا ہوتا ہے، ان سے ایمان کی بات بتانا ہوتی ہے، ایمان کی دعوت دینا ہوتی ہے، ایمان وہ جملۂ حق ہے جو ہر مذہب کا ماننے والا سنتا اور دھیان دیتا ہے اس کے لئے کسی بھی شخص سے ایمان کے حوالہ سے بات کی جاسکتی ہے وہ اس کو آسانی سے سنے گا اور اگر اس کے دل کو یہ بات چھوئی تو اس سے متاثر ہوگا، ایمان کا تعلق دل سے ہے، دلائل و حجت کا تعلق عقل سے ہے، عقل خوب پینترے جانتی ہے، اس کو شکست دینا آسان نہیں ہوتا لیکن دل کو جب بات اچھی لگ جائے تو دل مائل ہوجاتا ہے وہ دلائل کے چکر میں زیادہ نہیں پڑتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار کے سامنے بات رکھی تو خالق اور پروردگار کو ایک ماننے کی بات رکھی اور اسی کے ساتھ انسانوں کے ساتھ ہمدردی، مظلوموں کی مدد، مہمان کی خاطرداری، مسافر کی مدد جیسے کاموں کی تلقین کی، اور اس کی دعوت دی، یہ وہ حکمت اور طریقہ تھا جو دلوں کو جلدی متاثر کرتا ہے، غیر مسلموں کو قریب کرنے کے لئے اس کی نقل کی جاسکتی ہے، ہمدردی انسانیت نوازی اور ایمان باللہ و بالرسول و خاتم المرسلین کو ملانے سے وہ عظیم دعوت بن جاتی ہے جس میں ایک خاص برکت اور تاثیر ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کی پیروی ہے، جو آپ نے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران اختیار فرمائی تھی، آپ کو ایذائیں دی گئیں، لیکن آپ نے صبر کیا، سخت سست کہا گیا لیکن آپ نے برداشت کیا اور اخلاق محبت کے ساتھ ہمدردی اور حکمت کے ساتھ کام جاری رکھا اور ایک ایک کرکے لوگ لوگ متاثر ہوتے گئے، اور جس نے اثر لیا وہ آپ کا گرویدہ ہوگیا، دراصل دعوت کے کام میں مدعو کے دل پر اثر کرنے والی بات کی ضرورت ہوتی ہے، اپنے کو اسکا خیرخواہ اور مخلص محسوس کرانے کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ انسان اپنے مخلص و خیرخواہ کی بات سنتا ہے، اور جس کو وہ مخلص و خیرخواہ نہ سمجھے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے کام کے سلسلہ میں جو ہدایات یا وضاحتیں فرمائی ہیں، ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ کام خیرخواہی کے جذبہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خیرخواہی اتنا محسوس کرائی کہ حیرت ہوجاتی ہے، عبداللہ بن ابی اپنے قبیلہ خزرج کا بڑا مقبول سردار رہ چکا تھا، قبیلہ کے ساتھ وہ بھی اسلام لایا، لیکن اسلام اس کے حلق سے نہیں اترا تھا، وہ اپنے کو مسلمان ثابت کرتا لیکن اندر اندر دشمنی کرتا، ظاہر میں مسلمان ہوگیا تھا، اس سے اس کا قبیلہ اس سے ہمدردی رکھتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی رعایت میں یہ جانتے ہوئے کہ وہ منافق ہے بلکہ اس کی طرف سے آپ کو وقتاً فوقتاً سخت ایذا پہنچتی تھی لیکن اچھا برتاؤ رکھا، بلکہ ایک سفر کے دوران عبداللہ بن ابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کی طرف آتے ہوئے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بباطن کا اشارہ کرکے کہا کہ مدینہ پہنچ کر مدینہ کے معزز لوگ ان گھٹیا اور ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے، جس کا صاف مطلب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مہاجرین کے لئے وہ کہہ رہا

تھا، یہ ایسی بات تھی کہ خود عبداللہ بن ابی کے بیٹے کو بری لگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغیانہ حرکت پر ان کے باپ کو سخت سے سخت سزا دے سکتے ہیں، یا خود مسلمان ناراض ہوکر اس کو قتل کرسکتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے باپ نے ایسی گندی بات کہی ہے اس پر وہ لائق قتل ہوسکتے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ قتل کا کام اگر کوئی مسلمان کرے گا تو میں انسان ہوں، فرزند ہونے کے ناطہ مجھ پر اثر پڑسکتا ہے، جو میرے ایمان کے لئے مضر ہوگا، لہٰذا یہ کام لینا ہو تو مجھ سے ہی لے لیجئے گا، آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کروں گا، آپؐ کے اس عمل کا ایسا اثر پڑا کہ جب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا یہ قافلہ داخل ہوا تو عبداللہ بن ابی کے بیٹے راستہ پر کھڑے ہوگئے اور باپ کی آمد پر تلوار دکھا کر کہا سن لیجئے، معزز و موقر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ہیں اور ذلیل اور پست آپ ہیں، اب سن لیجئے! آپ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر داخل بھی نہیں ہوسکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کو برابر نبھایا کہ عبداللہ بن ابی کے ساتھ تاحیات خوش اخلاقی کا ہی معاملہ رکھا، خوش اخلاقی اختیار کرنے کے سلسلے میں قرآن کی ہدایت یہاں تک آئی کہ اگر کوئی مشرک تمہاری حفاظت میں آئے تو اس کو حفاظت کے ساتھ اپنے پاس ٹھہراؤ، اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلام سنے گا پھر اس کو اس کی حفاظت کی جگہ تک پہنچادو۔

صوفیائے کرام اور بزرگان دین نے دعوت دین کی خاطر احکام خداوندی اور اسوۂ نبوت کو پوری طرح اختیار کیا، اسی کا اثر ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہے، اس سلسلہ میں ان کے بیشمار واقعات ہیں جن سے ان کی محنت، صبر و برداشت، عام انسانی ہمدردی و خیرخواہی، دوستوں کے ساتھ اخلاص و محبت دشمنوں کے ساتھ بھی رعایت و خیرخواہی کی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں، یہ وہ طریقۂ عمل ہے جس سے دین تو دین ہے دنیا بھی عافیت و خیر بن جاتی ہے، چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف، با دشمناں مدارا

یہ خوش آئند بات ہے کہ برصغیر میں الحمد للہ دعوت کے کام میں اب بھی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مصروف ہے، ان کے میدان عمل اور طریقہ کار میں تنوع ہے، ان کے ذریعہ دین کے تعارف، ایمان و عمل صالح کی تلقین کا کام انجام دیا جارہا ہے، محبت و ہمدردی کے ساتھ لوگوں سے ملنے اور بے غرض رویہ کے ساتھ کام کرتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے کام کے اثرات بھی غیر معمولی ظاہر ہورہے ہیں، نہ معلوم کتنے ایسے افراد ہیں کہ دعوت کے ان تک پہنچنے سے قبل مختلف قسم کے حرام کاموں میں اور خدا بیزاری زندگی میں مبتلا تھے وہ دعوت کا اثر قبول کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ نہایت صالح مسلمان بنے بلکہ پرہمت اور منہمک داعی بنے ہوئے ہیں، لاکھوں آدمی جو آزادانہ زندگی میں مبتلا رہ چکے ہیں وہ اب دیکھنے میں مولوی جیسے معلوم ہوتے ہیں اور عملی طور پر دینی زندگی میں سرشار نظر آتے ہیں۔

یہ سب نتیجہ ہے دعوتی زندگی اختیار کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کے حکم و دعوت کی تعمیل کا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دعوت کی یہ کوششیں جو بے غرض طریقہ سے جاری ہیں خواہ جماعت تبلیغ کی ہوں، خواہ دوسری دعوتی عمل رکھنے والی جماعتوں کی ہوں، امت مسلمہ کی حفاظت و ترقی کے بہترین نتائج پیدا کریں گے، اور کم از کم اس امت کے بقاء و تحفظ کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

ہم سب کو اس کی اہمیت سمجھنا اور حسب استطاعت اس میں حصہ لینا چاہئے، یہی ہمارے لئے جو کہ خیر امت کہلاتے ہیں کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے۔ □□

ڈاکٹر محمد بدیع مرشد عام اخوان المسلمون
ترجمہ: ارشاد الرحمٰن

آج دنیا کی ضرورت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

اس وقت پوری دنیا کو کسی ایسی ہستی کی اشد ضرورت ہے جو انسانیت کو ظالمانہ مادی طوفان سے نجات دلا سکے، جو اسے اخلاقی تباہی، روحانی خلاء، معاشرتی ظلم اور نسلی امتیاز کی دلدل سے باہر نکال سکے، جو انسانیت کو اصول و قانون اور اقدار و روایات کی پامالی سے روک سکے۔ اس پامالی نے انسان کو تھکا ڈالا ہے، اس کو حقوق سے محروم کر رکھا ہے اور عزت نفس کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ سلسلہ انسان کو تعذیب وتشدد سے دوچار رکھنے تک جا پہنچا ہے۔ حتیٰ کہ دین، اخلاق اور ضمیر کی آواز کو خاطر میں لائے بغیر بے گناہ بچوں اور عورتوں کا خون بہانا اور انہیں قتل کرنا معمول بن گیا ہے۔

برباد ہوتی انسانیت کو اس بدترین صورت حال سے وحی الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے فرستادہ رسول کی ہدایت کے سوا کوئی نجات نہیں دلا سکتا اور یہ رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں کیونکہ آپ ہی نبی آخرالزماں اور رحمت للعالمین ہیں۔

نزول وحی اور بعثت انبیاء و رسل کا سلسلہ تخلیق آدم اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے زمین پر آباد ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، تاکہ انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ طریق زندگی سے آگاہ کیا جا سکے۔ یہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی کہ انبیاء و رسل کی تعداد اچھی خاصی رہی، حتیٰ کہ بعض اوقات تو ایک سے زائد نبی ایک ہی زمانے میں بھیجے گئے۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت لوط علیہم السلام اجمعین کا زمانہ نبوت ایک ہی ہے۔ اسی طرح حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا زمانہ بھی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام ہیں۔ حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی ایک ہی عہد کے نبی گزرے۔ یہ تمام نبی صرف اپنی اپنی اقوام کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں آخری نبی ہیں۔ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تصدیق فرمائی اور بنی اسرائیل پر سے ان پابندیوں کو ہٹایا جو ان کے اپنے ظلم کی بنا پر تھیں۔ نبوت موسیٰ کی تصدیق کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت بھی دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واضح کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے بشیر ونذیر ہوں گے۔ قرآن کے بیان کے مطابق:

"واذ قال عیسیٰ ابن مریم یا نبی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ و مبشرا برسول یأتی من بعدی اسمه احمد." (الصف: 60-61)

"اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی، جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔"

یہ تو قرآن مجید کا بیان ہے۔ خود لفظ "انجیل" کا سریانی زبان میں مفہوم "بشارت" اور "خوشخبری" ہے۔ انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بقول: "جب یہ روح حق (کا داعی نبی) آ جائے گا تو وہ مکمل حق کی طرف تمہاری رہنمائی فرمائے گا۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے نہیں بولے گا بلکہ وہی کہے گا جو وہ سنے گا اور وہ آئندہ کے

امور کے بارے میں بھی تمہیں خبر دے گا۔" (یوحنا: 16-12)۔ انجیل برناباس میں ہے: "عنقریب اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نمائندہ (رسول) آئے گا جو پوری دنیا کے لئے رسول ہوگا۔ پھر اس وقت پوری دنیا میں اللہ کو سجدہ کیا جائے گا اور دنیا پر رحمت سایہ فگن ہوگی۔" (18-16:82)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے درمیان 567 سال کا طویل وقفہ ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزماں بن کر تشریف لائے۔ آپ کی بعثت و رسالت کو چودہ صدیاں گزر چکی ہیں لیکن کوئی اور نبی نہیں آیا۔ یہ بات اس عقیدے کو قطعی و حتمی اور وحی الٰہی کو حق ثابت کرتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری نبی ہیں۔ آپ ہی قیامت تک آخری نبی ہوں گے۔ آپ اپنی رسالت کے دائمی اور عالمگیر ہونے کے اسباب ساتھ لے کر آئے۔ آج دنیا کے ایک حصے کا دوسرے حصے کے ساتھ رابطہ نہایت آسان ہو چکا ہے، لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی میں آپ کی رسالت کے عالمگیر پھیلاؤ کی خبر سچ ثابت ہو چکی ہے: "یہ دین وہاں تک پہنچ کر رہے گا جہاں رات دن کا سلسلہ قائم ہے۔" اور فرمایا: "یہ دین کسی شہری، دیہاتی اور پتھر کے عہد کے گھر میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔"

رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو 40 برس کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ آپ نے عمر کے اگلے 23 برس اس طرح گزارے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ طریق زندگی کو سب سے پہلے اپنی ذات پر نافذ کیا۔ پھر اپنے اہل خانہ پر، پھر اپنے صحابہ پر اور پھر تمام لوگوں پر اس کا نفاذ فرمایا۔ آپ لوگوں کے درمیان رہتے اور انہیں یہ تعلیم دیتے رہے کہ آسمانی طریق کے مطابق زمین پر زندگی کیسے گزاری جائے۔ آپ لوگوں کے عقیدے کو درست کرتے رہے، عبادات کی وضاحت کرتے رہے، اخلاقی رویوں کی اصلاح کرتے رہے اور لوگوں کے کردار کو بہتر بناتے رہے۔ آپ شریعت نافذ کرتے اور معاملات کو سدھارتے رہے۔ اس ساری جدوجہد کا مقصد پوری انسانیت کے لئے عدل ومساوات کو ممکن بنانا تھا تا کہ انسان بیک وقت دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کر سکیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (النحل: 16: 97)

"جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہے، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر، ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔"

آپ واحد نبی ہیں جن کے ہر قول و عمل بلکہ خاموشی پر مبنی کیفیت کو بھی محفوظ کر لیا گیا۔ یہ عمل آپ کی حیات مبارکہ کے پورے 63 برس کے طویل عرصے پر محیط ہے۔ اس کا مقصد اللہ کی کتاب قرآن مجید کے ساتھ آپ کی سنت کو بھی تمام انسانیت کے لئے قیامت تک دائمی ہدایت کے طور پر باقی رکھنا تھا۔

نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو عدم سے وجود میں لا کر اور اسے کمال کے درجوں پر پہنچا کر دکھایا۔ پھر اس امت کی روشنی پھیل گئی۔ اس کے اصولوں نے دنیا کی قیادت کی اور تین براعظموں پر اس کی حکمرانی کا دور دورہ رہا۔ یہ سب کچھ صرف 30 برس سے بھی کم عرصے میں ہوا۔ اس کے بعد اس امت کا نور مزید پھیلا اور مشرق و مغرب کی تمام تر انسانیت کو منور کرتا رہا۔ یہ نور یورپ پہنچا تاکہ اسے قرون وسطیٰ کے اندھیروں سے نکال کر تہذیب و تمدن کی روشنی میں کھڑا کر دے۔ تہذیب و تمدن کی یہ روشنی اسلامی تہذیب کے گہوارے اندلس کے توسط سے بلاد غرب کو نصیب ہوئی۔ اس بات کی شہادت مشرق و مغرب کے تمام انصاف پسندوں نے دی ہے۔ رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روح اور جسم کے درمیان عادلانہ توازن قائم فرمایا، تاکہ انسان کو نفسیاتی سکون مہیا ہو سکے۔ عین اس وقت جب آپ لوگوں کو آخرت کے لئے عمل کرنے کی ترغیب دی، انہیں یہ حکم بھی دیا کہ وہ دنیا سے اپنا حصہ وصول کرنا نہ بھول جائیں۔

"وابتغ فیما آتاک الله الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا" (القصص: 28 : 77)

"جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔

رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے لئے گھریلو امن وسکون کو ممکن بنادیا۔ آپ نے انسان کے فطری تقاضے کی تکمیل، نفس کی پاکیزگی اور معاشرے کی تطہیر کے ساتھ زمینی آبادی کی غرض کو پورا کرنے کے لئے شادی کا حکم دیا۔ آپ نے شادی کے بندھن کو اس قدر اعلیٰ تقدس عطا کیا کہ اسے پختہ معاہدے (میثاقاً غلیظاً) کا نام دیا۔ آپ نے میاں بیوی کے تعلقات کو گھر کی سربراہی، اخراجات، بچوں کی نگہداشت اور وراثت کے امور کی صورت میں باقاعدہ قانونی نظام کا پابند کردیا۔ آپ نے انسان اور اس کے ماحول کے درمیان بھی ایک توازن قائم کیا۔ یہ توازن انسان کو کائنات کے وسائل سے استفادے کے مواقع بھی فراہم کرتا ہے اور ساتھ ہی ماحول کو آلودہ ہونے سے بچنے اور اسے صاف ستھرا رکھنے کی ذمہ داری بھی سونپتا ہے۔ کیونکہ اس ماحول میں صرف ایک ہی انسان کے حقوق نہیں ہیں بلکہ کئی نسلیں اس سے مستفید ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمین میں خرابی پیدا کرنے سے منع کیا گیا ہے: "ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔" (اعراف: 56:7)

"زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے" بلکہ زمین کی آباد کاری اور اس کی بہتری وترقی کا حکم فرمایا گیا۔ آپ نے کاشت کاری کی ترغیب اور بنجر زمینوں کو آباد کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے یہ عمل اس وقت بھی انجام دینے کا حکم فرمایا جب قیامت قائم ہوجائے۔ فرمایا: "جب قیامت قائم ہوجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں شجرکاری کے لئے ایک کھجور کا پودا ہو تو بھی وہ اسے لگادے۔"

آپ نے حالت جنگ میں بھی آبادی کی حفاظت اور اس کے اوپر رحم کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: "اللہ کے نام پر لشکر کشی کرو، کسی بچے، عورت اور عمر رسیدہ بوڑھے کو قتل نہ کرو، کسی مکان کو مسمار نہ کرو اور کسی درخت کو نہ کاٹو۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رحمت و شفقت انسان سے شروع ہوئی اور حیوان تک کے لئے عام ہوگئی۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو بخش دیا جس نے ایک کتے کو پانی پلایا تھا جو پیاس کی شدت سے کیچڑ کھا رہا تھا۔" آپ کا یہ بھی ارشاد ہے: "ہر زندہ چیز (کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے) پر تمہارے لئے اجر ہے۔"

اسی بنا پر انگریز مؤرخ ولیم میور نے اپنی کتاب Life of Mohammad میں کہا ہے: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کے واضح ہونے اور دین کے آسان ہونے کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے کاموں کو ایسے مکمل کر دکھایا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ تاریخ نے کوئی ایسا مصلح نہیں دیکھا جس نے اتنے مختصر عرصے میں اس طرز پر دلوں کو بیدار کیا ہو، اخلاق کو زندگی بخشی ہو اور اخلاقی قدروں کو بلند تر کردیا ہو۔ جس طرح پیغمبر اسلام (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھایا۔"

عظیم روسی فلسفی ٹالسٹائی نے کہا: "محمد تو ایک بانی اور رسول ہیں۔ آپ اس عظیم ترین افراد میں سے ہیں جنہوں نے انسانی معاشرے کے لئے جلیل القدر خدمات انجام دیں۔ آپ کے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے پوری انسانیت کی نور حق کی طرف رہنمائی کی، اسے سکون وسلامتی سے ہمکنار کردیا اور اس کے لئے تہذیب وترقی کی شاہراہ کھول دی۔"

امریکی دانشور مائیکل ہارٹ کہتا ہے: "محمد تاریخ انسانی میں واحد انسان ہیں جنہوں نے دینی اور دنیاوی دونوں میدانوں میں کامل کامیابی حاصل کی اور سیاسی وعسکری قائد قرار پائے۔"

فرانسیسی فلسفی والٹر کہتا ہے: "محمد جتنے طریقے بھی لائے وہ تمام نفس کو مطیع کرنے اور اسے مہذب بنانے والے ہیں۔ آپ نے حیرت انگیز حد تک ان طریقوں کا حسن و جمال دین اسلام میں پیدا کیا۔ اسی لئے تو دنیا

کی متعدد قومیں اسلام لے آئیں، حتیٰ کہ وسط افریقہ کے زنگی اور جزائر بحر الکاہل کے باشندوں نے بھی اسلام کے سایے تلے سکون محسوس کیا۔"

معروف انگریز مصنف برنارڈ شا کہتا ہے: "آج دنیا کو محمد جیسی شخصیت کی شدید ضرورت ہے تاکہ وہ دنیا کے پیچیدہ مسائل کو اتنی دیر میں حل کردے جتنی دیر چائے کی ایک پیالی پینے میں لگتی ہے۔" وہ کہتا ہے: "یورپ اب محمد کی حکمت ودانائی کو محسوس کرنے اور ان کے دین کی طرف کھنچنے لگا ہے۔ اسی طرح یورپ اسلامی عقیدے کو ان الزامات سے بھی جلد پاک کردے گا جو قرون وسطیٰ میں یورپ کے دروغ گو افراد نے لگائے۔ محمد کا دین ہی وہ نظام ہوگا جس کے اوپر امن وخوشحالی کے ستون استوار ہوسکیں گے۔ پیچیدہ مشکلات کے حل اور گنجلک امور کی عقدہ کشائی کے لئے فلسفہ اسلام ہی کا سہارا لیا جائے گا۔"

برنارڈ شا نے تو خوشخبری میں یہاں تک مبالغے سے کام لیا ہے: "میرے ہم وطن اور دیگر یورپی کثیر تعداد میں اسلام کی تعلیمات کو مقدس جانیں گے۔ اسی لئے تو میرے لئے یہ ممکن ہوا ہے کہ میں یہ خوشخبری دوں کہ اسلامی عہد کی ابتدا قریب ہے۔"

دنیائے مغرب کو چاہئے کہ وہ اپنے دانشوروں کی آواز اور فلسفیوں کے اقرار واعتراف کو سنے اور رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنے کے بجائے علمی اور شائستہ انداز میں آپ کا تعارف حاصل کرے۔ تاکہ اسے معلوم ہوسکے کہ حضرت محمد ہی کی رسالت واحد رسالت ہے، جو ان کی مادی تہذیب کو روحانی ترقی اور اخلاقی بلندی سے ہمکنار کرسکتی ہے۔ یہی انہیں آخرت کی سعادت، دنیا کی فلاح اور قلب وضمیر کا اطمینان وسکون فراہم کرسکتی ہے۔

ہر محب رسول پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ حقیقتاً آپ کا پیغام بردار بنے اور پوری امانت داری کے ساتھ آپ کی دعوت کو حقیقت کے متلاشیوں تک پہنچائے اور دنیا میں پھیلادے۔ دنیا آج ایک گاؤں بن گئی ہے، جس میں انفرادی واجتماعی ربط وتعلق کے ذرائع اپنے عروج کو پہنچ چکے ہیں۔ اس بنا پر ہمارے لئے ممکن ہے کہ ہم رسول خدا کی ہدایت کو دنیا کے تمام گوشوں میں پھیلادیں تاکہ آپ کا یہ نور تمام دنیا میں پھیل جائے۔

"قل ھذہ سبیلی ادعوا الی الله علی بصیرة انا و من اتبعنی و سبحان الله و ما انا من المشرکین۔" (یوسف 12:108) "کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی، اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔"

(وانفقوا فی سبیل الله ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة و احسنوا، ان الله یحب المحسنین)۔ (سورۂ بقرۃ/195)

(اللہ کے راستے پر خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور اچھی طرح کام کرو، بیشک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔

مسلمان کی زندگی کی اصلی ساخت یہی ہے کہ یا تو اسلام کی دعوت اور عملی جدوجہد میں مشغول ہو یا اس دعوت وعملی جدوجہد میں مشغول ہونے والوں کے لئے پشت پناہ و مددگار ہو، اس کے ساتھ بھی عملی جدوجہد میں حصہ لینے کا عزم اور شوق رکھتا ہو، مطمئن شہری اور محض کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں ہے، اور کسی طرح بھی یہ ایک مسلمان کا مقصود حیات نہیں ہوسکتا، جائز مشاغل زندگی، جائز وسائل معیشت ہرگز ممنوع نہیں، بلکہ نیت اور اجر طلبی کے ساتھ عبادت وقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، مگر اس وقت جب یہ سب دین کے سایہ میں ہوں اور صحیح مقاصد کا وسیلہ ہوں نہ کہ خود مقصود بالذات ہوں۔

سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سب سے بڑا پیغام ہے، جو خالص مسلمانوں کے نام ہے، اس کی طرف توجہ نہ کرنا اس کے مقصد کو ضائع کرنا، اور سب سے بڑی حقیقت کی طرف سے چشم پوشی ہے، جو سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔

علامہ سعدی

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ اگر ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت کریں تو بڑے ہی بدنصیب ہیں...... اللہ تعالیٰ کیا ہی اچھا رب ہے...... اور اس کا دین کیا ہی اچھا دین ہے۔

آپ سمجھے؟

اوپر جو الفاظ لکھے ہیں...... کیا ان کو پڑھ کر آپ وہ واقعہ سمجھے جس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے؟ یہ سخت سردی کا موسم تھا، جیسے آج کل ہمارے یہاں چل رہا ہے۔ مدینہ منورہ سخت محاصرے میں تھا۔ دس ہزار کا مسلح لشکر مدینہ منورہ کو گھیر چکا تھا۔ مدینہ منورہ میں موجود یہودیوں نے بھی خونخوار دانت نکال لئے تھے اور منافقین کی زبانیں قینچیوں کی طرح چل رہی تھیں۔

بس یوں سمجھیں کہ مسلمانوں پر پانچ دشمنوں نے ایک ساتھ حملہ کردیا تھا: (1) مشرکین کا لشکر۔ (2) مدینہ کے یہودی۔ (3) داخلی منافقین۔ (4) سردی۔ (5) فاقہ۔

اللہ اکبر کبیرا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام نے بھوک اور فاقہ کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ ایسا خوفناک، ہولناک اور دہشت ناک ماحول مسلمانوں کے خلاف بن گیا تھا کہ کلیجے منہ کو آرہے تھے اور آنکھیں دہشت سے پتھرائی جاتی تھیں۔ سارا منظر قرآن مجید نے سورۃ احزاب میں کھینچ ڈالا ہے۔ واقعی بہت سخت آزمائش تھی۔ یوں لگتا تھا کہ بس اسلام کا قصہ ختم، مسلمانوں کا قصہ ختم۔

ہر طرف سے آوازیں تھیں کہ مار دو، ختم کردو، مٹادو، جڑ سے اکھاڑ دو، ایک کو بھی نہ چھوڑو۔ ایسا موقع پھر شاید نہ ملے، اس موقع کا فائدہ اٹھاؤ اور ان کی بنیاد ہی ادھیڑ دو۔ ایسے حالات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر خندق کھود رہے تھے اور ان اشعار کو اپنی خوبصورت آواز سے عزت بخش رہے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِہٖ بَدِیْنَا
وَلَوْ عَبَدْنَا غَیْرَہٗ شَقِیْنَا

بسم اللہ...... ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ اگر ہم اس کے سوا کسی کی عبادت کریں تو بڑے ہی بدنصیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کتنا اچھا رب ہے اور اس کا دین کتنا اچھا دین ہے۔ سبحان اللہ! ایسے خوفناک حالات میں ایسی مضبوطی، ایسی استقامت اور دشمنوں کو یہ پیغام کہ ہم اپنے دین پر مضبوط ہیں، مطمئن ہیں۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ موت اور خوف کی دہشت پھیلا کر ہمیں ہمارے دین اور ہمارے راستے سے ہٹادو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ ان حالات میں بھی ہم اپنے رب کے وفادار...... اپنے دین کے وفادار...... اور اپنے رب سے راضی ہیں...... **اللہ اکبر کبیراء والحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ اصیلا۔**

ایسا وقت بھی آتا ہے

حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہر مسلمان کی ہر موقع پر رہنمائی فرماتی ہے۔ مسلمان خوش نصیب ہیں کہ ان کے پاس اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت محفوظ ہے۔ اس وقت عالم اسلام میں جو خوفناک حالات چل رہے ہیں اگر ہم صرف انہیں پر غور کریں تو دل بیٹھ جائیں اور حوصلے پست ہوجائیں۔ مگر ہمارے پاس زندہ سیرت موجود ہے۔ جو ہمیں فوراً 5ھ کے شوال کی سردیوں میں لے جاتی ہے۔ تب مدینہ منورہ مکمل محاصرے میں تھا اور ظاہری اسباب کے درجے میں مسلمانوں کا مکمل خاتمہ یقینی تھا۔ عربوں کا اتحادی لشکر مکمل تیاری اور عزم کے ساتھ آیا تھا اور لشکر کی تعداد ایسی تھی کہ مدینہ منورہ اس کے سائے میں گم ہوسکتا تھا۔ پھر داخلی طور پر بھی حالات بگڑ گئے تھے اور یہودی اپنا معاہدہ توڑ کر مقابلے پر آگئے تھے۔ ایسے حالات میں "منافقین" کے میلے ہوجاتے ہیں۔ وہ خوف پھیلانے والے دانشور بن کر اُبھرتے ہیں۔ اپنی عقلمندی کے گیت گاتے ہیں کہ ہم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا مسئلہ بس چند دن کا ہے۔ اب ان کو خاتمے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ وہ کمزور مسلمانوں کو ڈرا ڈرا کر کہہ رہے تھے کہ اسلام چھوڑ دو، واپس اپنے پرانے دین پر آجاؤ۔ ادھر موسم بہت سخت تھا۔ سردی تھی، اور

مسلمانوں کے پاس خوراک کی شدید کمی تھی۔ اب مسلمان کیا کرتے؟ باہر سے حملہ آور لشکر کا مقابلہ کرتے یا اندر یہودیوں سے اپنی عورتوں اور بچوں کو محفوظ کرتے۔ منافقین کی زبانوں کو پکڑتے یا لشکر کے لئے خوراک کا انتظام کرتے۔ قرآن مجید نے فرمایا:

وزلزلوا زلزالاً شدیداً۔

یعنی ایسے سخت حالات تھے کہ مسلمانوں پر گویا ہر طرف سے زلزلہ ہی زلزلہ تھا۔ ایسا زلزلہ جو جسموں کے ساتھ روحوں کو بھی لرزادے۔

سیرت مبارکہ کا یہ پورا منظر ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ...... دین کا کام کرنے والوں اور جہاد کی محنت کرنے والوں پر...... ایسے حالات بھی آتے ہیں جو بے حد خوفزدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ بس اب سارا کام ختم...... اب کچھ بھی نہیں بچ سکتا......

سیرت مبارکہ کا یہ منظر اہل ایمان کو طرح طرح کی حفاظتی دعائیں، حفاظتی تدابیر اور عزیمت کے اسباق سکھاتا ہے...... غزوہ احزاب کے اسی منظر نے ہمیں وہ دعاء عطا فرمائی جو دل سے خوف کو نکال کر اطمینان نصیب کرتی ہے۔

یا اللہ! ہمارے عیبوں کو چھپا دیجئے اور ہمارے خوف کو دور فرما دیجئے۔

صحابہ کرام نے محاصرے کی شدت اور سختی کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا سکھائی۔

اللھم استر عوراتنا و آمن روعاتنا۔

اور وجد آفریں دعا بھی تلقین فرمائی:

اللھم منزل الکتاب و مجری السحاب وھازم الاحزاب۔ اھزمھم وانصرنا علیھم۔

یا اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے۔ بادلوں کو چلانے والے۔ لشکروں کو شکست دینے والے۔ انہیں شکست دیجئے اور ان کے مقابلے میں ہماری نصرت فرمائیے۔

دو طبقے

سیرت مبارکہ کا یہ منظر جو شوال 5ھ میں سامنے آیا ایک اور بڑی اہم بات سمجھاتا ہے۔ وہ یہ کہ جب اہل ایمان و اہل جہاد پر حالات سخت ہوتے ہیں تو دو طبقے سامنے آجاتے ہیں۔

(1) ایمانی، تسلیمی: یہ وہ لوگ ہیں جن کو جس قدر بھی ڈرایا جائے، وہ اپنے ایمان اور اپنے کام پر ڈٹے رہتے ہیں۔ بلکہ ان کا ایمان بھی بڑھ جاتا ہے اور ان کی ثابت قدمی بھی بڑھ جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے جڑے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کام میں لگے رہتے ہیں۔ دشمنوں کی کثرت اور حالات کی خرابی۔ ان کے عزم کو اور مضبوط کردیتی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہی اصل وقت ہے وفاداری کا اور قربانی کا۔

وما زادھم الا ایمانا و تسلیما۔

(اس طبقے کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے سورۃ احزاب آیت 22)

(2) فراری: دوسرا طبقہ ان لوگوں کا سامنے آتا ہے جو برے حالات دیکھ کر فوراً بھاگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے عجیب بہانے بناتے ہیں اور دین کے کام سے کٹ جاتے ہیں۔ کوئی ان کے کان میں کہہ دے کہ اب حالات ٹھیک نہیں رہے تو فوراً فرار کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے بچاؤ کے لئے جنت کے راستے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یار ہم سے قید برداشت نہیں ہوتی۔ یار دین کا کام تو ٹھیک ہے مگر ڈنڈے کھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔ یار ڈر تو نہیں ہے مگر کچھ گھر کی دیکھ بھال بھی کرنی ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

ان یریدون الا فرارا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ بھاگنا چاہتے ہیں، باقی سب بہانے ہیں۔ (اس طبقے کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ سورۃ احزاب، آیت 13)

آبینا ابینا

غزوۂ احزاب کے مناظر میں ایک بڑا حسین، بہت دلکش اور بے حد ولولہ انگیز منظر بھی آتا ہے۔ اس منظر کے دو حصے ہیں، پہلے چھوٹا حصہ دیکھتے ہیں پھر بڑا حصہ۔

(1) خوف، بھوک، فاقے اور شدید خطرے کے دوران۔ حضرات صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجھاد ما بقینا ابداً

ہم ہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے کہ ہم مرتے دم تک جہاد کرتے رہیں گے۔

سبحان اللہ! یہ شعر پڑھنے کا اصل وقت ہی تب ہے جب جہاد کا نام لینے پر پابندی ہو۔ اور جہاد کا علم تھامنے پر موت سامنے نظر آتی ہے۔

(2) دوسرا منظر جو پہلے والے سے بھی زیادہ دلکش ہے۔

(بقیہ...... صفحہ...... ۴۲...... پر)

مولانا محمد جہان یعقوب

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ معروف صحابی حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاریؓ کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ انصاریؓ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ سے تقریباً پندرہ سال پہلے مدینہ منورہ، جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا، میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔

آپ کم عمری میں اسلام لائے اور بے شمار غزوات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔ چنانچہ غزوہ خندق کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ خندق میں خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت قسم کی چٹان سامنے آ گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے یہ چٹان نہیں ٹوٹی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر صورت حال عرض کر دی گئی۔ تمام بات سماعت فرمانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اترتا ہوں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے (تو ہم نے دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر (بھوک کی شدت کی وجہ سے) پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خود ہماری یہ کیفیت تھی کہ ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال کو ہاتھ میں لے کر اس چٹان پر مارا تو وہ چٹان ریت کا ڈھیر ہوگئی۔

اس جاں نثار صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھوک نہ دیکھی گئی، اپنا فاقہ بھول گئے اور بے تاب و بیقرار ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

یا رسول اللہ! مجھے گھر جانے کی اجازت دیجئے، چنانچہ گھر آ کر اہلیہ سے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ صبر نہ ہوسکا، تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ اہلیہ نے کہا: اور تو کچھ نہیں، البتہ میرے پاس کچھ جَو ہیں اور بکری کا ایک بچہ ہے، چنانچہ انہوں نے بکری کا وہ بچہ ذبح کیا اور ان کی اہلیہ محترمہ نے جَو پیسے، گوشت کو پکنے کے لئے ہانڈی میں رکھنے کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدمت اقدس میں عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! مختصر سا کھانا ہے، آپ تشریف لے چلیں یا ایک دو آدمی آپ کے ساتھ ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کتنا کھانا ہے؟

جب انہوں نے تفصیل بتلائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا خاصا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جب تک میں نہ آ جاؤں، اہلیہ سے کہہ دو کہ نہ ہانڈی چولہے سے اتارے اور نہ ہی روٹیاں تنور میں لگائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اعلان فرما دیا کہ جابر کی دعوت ہے، سب چلیں۔ حضرت جابرؓ بھاگے بھاگے گھر پہنچے اور اطلاع دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں تشریف لا رہے۔ بلکہ تمام مہاجرین و انصار کو بھی اپنے ساتھ لا رہے ہیں۔ وہ بھی صحابیہ تھیں، بجائے پریشان ہونے کے

انہوں نے حضرت جابر سے پوچھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کھانے کے متعلق پوچھ لیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! پوچھ تو لیا تھا۔ یہ سن کر کمال اطمینان سے کہنے لگیں، پھر پریشانی کس بات کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اللہ کے اعتماد پر تمام لوگوں کو لے کر تشریف لا رہے ہیں۔ اتنے میں بیت جابر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی تشریف آوری سے بقعہ نور بن چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ کو ترتیب سے بیٹھنے کا حکم فرما کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنڈیا کی جانب تشریف لے گئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست اقدس سے روٹیاں توڑنے اور ان پر بوٹیاں رکھنے لگے، اور ہانڈی سے گوشت اور تنور سے روٹی لے کر ان کو ڈھانک دیتے تھے اِسی طرح برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روٹی کے ٹکڑے کر کر کے دیتے رہے اور ہانڈی میں سے چمچ بھر بھر کر لیتے رہے، یہاں تک کہ سب نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور کھانا کچھ بچ بھی گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کی اہلیہ سے فرمایا: یہ تم خود بھی کھاؤ اور محلے پڑوس میں بھی ہدیہ بھیجو۔ (صحیح بخاری)

یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے عشق رسالت اور ان کی اہلیہ محترمہ کے ذات نبی وکلام نبی پر غیر متزلزل اعتماد ہی کا کرشمہ تھا کہ وہ کھانا تمام اہل محلہ نے بھی کھایا اور پھر بھی کھانا ویسے کا ویسا موجود تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے معجزانہ طور پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ، جو بہ ظاہر مالی تنگ دستی کا شکار تھے، مگر دلی طور پر رب وہاب نے انہیں فیاضی سے خوب خوب نواز رکھا تھا، کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا۔ سچ ہے رحمت پروردگار "بہا" یعنی معاوضہ نہیں "بہانہ" ڈھونڈتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سات بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اور غزوہ احد میں والد گرامی کی شہادت کے بعد ان کی کفالت کی تمام تر ذمے داری اور والد محترم کے ذمے واجب الادا قرضوں کی ادائی کا بوجھ ان کے ناتواں کندھوں پر آ گیا تھا۔ بہنوں کی کفالت کی غرض سے انہوں نے اپنے سے عمر میں کافی بڑی ایک خاتون سے شادی کر لی، تاکہ وہ ان کی بہنوں کا خیال رکھ کر والدین کی کمی کا احساس نہ ہونے دے۔ ان کے والد کے ذمے واجب الادا قرضوں کی ادائی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاونت فرمائی اور یہ بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ کھجوروں کے ایک ہی ڈھیر میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی کہ تمام قرض خواہوں کا قرضہ ادا ہوگیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے 1500 کے قریب احادیث روایت کی گئی ہیں، یوں ان کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل العمری کی بشارت کے بہ موجب تقریباً چورانوے سال کی عمر پائی اور 78ھ میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات کسی بدخواہ کے زہر دینے سے ہوئی، مستند تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

انہیں ابتدا میں بغداد کے قریب مدائن شہر میں دریائے دجلہ کے قریب دفن کیا گیا تھا، بعد ازاں شاہ فیصل شاہ عراق کے حکم پر ان کے جسد خاکی کو سلمان پارک منتقل کیا گیا، اس کی وجہ کیا ہوئی؟ یہ بھی ایک ایمان افروز واقعہ ہے ملاحظہ فرمایئے۔

یہ 1932ء کی بات ہے کہ عراق کے اس وقت کے بادشاہ شاہ فیصل کو خواب میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی، جو رازداں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا:

"اے بادشاہ! میری اور جابر بن عبداللہ کی قبر میں دجلہ کا پانی داخل ہوگیا

ہے؟ لہٰذا ہماری قبر کشائی کر کے ہمیں کسی اور جگہ منتقل کردو۔"

خواب سے بیدار ہوکر صبح ہی بادشاہ نے اس حکم پر عمل کیا اور ان دونوں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبریں سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں کھولی گئیں، حاضرین میں مفتی اعظم فلسطین، مصر کے بادشاہ شاہ فاروق اور دیگر اہم افراد بھی شامل تھے۔ یہ دیکھ کر تمام عوام وخواص حیرت سے بت بنے رہ گئے کہ اتنا طویل ترین عرصہ بیت جانے کے باوجود ان دونوں اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اجسام حیرت انگیز طور پر تروتازہ تھے اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی ابھی دفنائے گئے ہوں۔ ان کے کفن تک سلامت تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ خود بھی زندہ اور گہری نید میں ہوں۔ ان دونوں اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں اور ان سے ایک عجیب روشنی خارج ہورہی تھی، جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں۔ ہزاروں لوگوں نے ان بزرگوں کی زیارت کی اور دنیا پر ایک بار پھر یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ والوں کی نرالی شان ہوتی ہے۔ بادشاہ نے ان اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اجسام کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے بالکل قریب سلمان پارک نامی جگہ پر دوبارہ دفنادیا۔ رضی اللہ عنہم۔

□□□

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۸ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف بیس روپے اور سالانہ خریداری-/200 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔

آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

مولانا مسعود عظمت

سنتِ نبوی کی اہمیت وفضیلت

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اپنی ظاہری وباطنی وسعتوں اور پنہائیوں کے لحاظ سے کوئی شخصی سیرت نہیں، بلکہ ایک عالمگیر اور بین الاقوامی سیرت ہے، جو کسی شخص واحد کا دستور زندگی نہیں، بلکہ جہانوں کے لئے ایک مکمل دستور حیات ہے، جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جائے گا اسی حد تک انسانی زندگی کی استواری وہمواری کے لئے اس سیرت نبوی کی پیروی واتباع شدید سے شدید تر ہوتی جائے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک زمانہ اور اس کا تمدن اپنی ارتقائی منازل کو طے کرتا ہوا کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا اور کل تک نہ معلوم یہ ارتقائی منازل کو طے کرتے ہوئے کہاں تک جاپہنچے، لیکن وہ کہیں بھی پہنچے اور اس کی تمدنی اور تہذیبی زندگی کے گوشے کتنے بھی پھیل جائیں اور پھیل کر زمین وآسمان اور خفاء وخلاء سب ہی کو ڈھانپ لیں، پھر بھی یہ ارتقائی سیرت اور اس کے تدین کے گوشے اسی حد تک تمدنی گوشوں کی تقویم واصلاح کے لئے شاخ درشاخ ہوکر نمایاں ہوتے رہیں گے، جیسا کہ وہ اب تک زمانہ کی تہذیبی وتمدنی زندگی کے ساتھ نمایاں ہوتے رہے اور ان میں سکون واطمینان کی روح پھونکتے رہے۔

زمانہ نے کروٹیں لیں اور تہذیبی اور تمدنی ترقی کو عروج پر پہنچایا، لوگوں نے شور وواویلا مچایا کہ سنت وشریعت زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتی، لیکن سنت کے مخفی گوشے اور سنت کے اصلاحی پہلوؤں نے کوئی کمی نہ چھوڑی اور ان پکارنے والوں کو اپنے عملی طریقوں سے بہرہ مند کردیا۔

اتباع سنت کی اہمیت اور جامع فضیلت

زندگی میں کسی بھی چیز کی پیروی کرنے کے لئے ایک مکمل شخصیت کا نمونہ ہونا ضروری ہے، خواہ وہ معاشی فلسفہ ہو یا زندگی گزارنے کا مکمل طریقہ، آج تک جس شخص نے بھی کوئی نظریہ پیش کیا سب سے پہلے اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کی، تب کہیں جاکر لوگوں نے اس کے افکار کو قبول کیا، انبیائے کرام علیہم السلام تو انسانوں کی ہدایت، فلاح وکامیابی کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے ہیں، ان کی زندگی تمام کی تمام وحی کی تعلیمات کے مطابق ڈھلی ہوتی ہے۔ (فلسفہ سیرت خاتم الانبیاء، ص:65تا70)

ہم اگر قرآن مجید کی آیتوں کا مطالعہ کریں تو ہزاروں آیتیں درحقیقت سیرت مقدسہ کے علمی اور تعارفی اسلوب ہیں اور ادھر سیرت کے یہ ہزاروں گوشے قرآن کے عملی پہلو ہیں۔ قرآن مجید میں جو چیز قال ہے وہی ذات نبوی میں حال ہے اور جو قرآن میں نقوش ہیں وہی ذات اقدس میں سیرت ہیں۔

قرآن مجید کے مختلف مضامین جو قرآنی سورتوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان سے اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے مطابق سیرت کے مختلف الانواع پہلو ثابت ہوتے ہیں، قرآن حکیم میں ذات وصفات کی آیتیں آپ کے عقائد ہیں، احکام کی آیتیں آپ کے اعمال، تکوین کی آیتیں آپ کا استدلال، تشریع کی آیتیں آپ کا حال، قصص وامثال کی آیتیں آپ کی عزت، تذکیر کی آیتیں آپ کی نیابت، اخلاق کی آیتیں آپ کی عبدیت، کبریائے حق کی آیتیں آپ کا حسن معاشرت، توجہ

الی اللہ کی آیتیں آپ کی خلوت ہیں، اس طرح تربیت خلق اللہ کی آیتیں آپ کی جلوت قہر وغلبہ کی آیتیں آپ کا جلال اور مہر ورحمت کی آیتیں آپ کا جمال، رحمت کی آیتیں آپ کی رجاء، عذاب کی آیتیں آپ کا خوف، انعام کی آیتیں آپ کا سکون وانس ہے۔ غرض ہم کسی بھی نوع کی آیت کا مطالعہ کریں، تفسیر دیکھیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقام نبوت کی تعبیر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی تفسیر ہے۔ (نقش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمبر130-326)

سنت کا مقام صاحب سنت کی نگاہوں میں

یہ معلوم اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ثواب اور عذاب، نیکی اور بدی، جھوٹ اور سچ، اچھا اور برا اور اس کا صحیح امتیاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی نہیں بتا سکتا۔ جس چیز کو آپ نے گناہ اور جرم قرار دیا ہو دنیا میں کوئی شخص اس کی خوبی ثابت نہیں کرسکتا اور جس چیز کو نیکی قرار دیا دنیا کی کوئی طاقت اس کی برائی ثابت نہیں کرسکتی۔ تمام وہ اخلاق جو اقوام عالم اور نسل انسانی میں مستحسن اور پسندیدہ سمجھے جاتے ہیں وہ سب الہامات الٰہیہ اور تعلیمات انبیاء خصوصا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہے۔ (راہ سنت ص 32/33 ترجمان السنہ 1/230، حجۃ اللہ البالغہ 1/330)

چمکتی ہے تو ریگ اکثر نشان ہے مہ جبینوں کا
جسے ہم روندتے پھرتے ہیں وہ سب خاک انسان ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم عین فطرت انسانی کے موافق اور متوازی ہے اور انسانی فطرت کے دبے اور چھپے ہوئے جملہ تقاضوں کی راہ نمائی ہے اور اس کی خلاف ورزی فطرت سے بغاوت ہے۔ اسلام کے شرعی نظام کی تشکیل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر اہم ترین احکامات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی نافذ فرماتے تھے، ظاہر ہے یہ احکامات وحی الٰہی خفی کے ذریعہ ہی آپ نے جاری فرمائے تھے، لیکن قرآن مجید میں اس وقت تک ان کا ذکر نہیں ہوتا تھا، بعد میں کسی آیت کا نزول ہوتا اور اس حکم کی توثیق و تشریف ہوتی تھی۔ (اسلام میں سنت و حدیث کا تشریح مقام (اردو) جلد اول، ص:62تا90)

اس طرح کی کئی مثالیں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کسی بات کا حکم فرمایا، بعد میں اس حکم کی تصدیق و توثیق کے لئے آیت کا نزول ہوگیا، مثلاً عقیدہ توحید میں سب سے پہلی اہم عبادت نماز ہے۔ لیلۃ الاسراء سے پہلے دو نمازیں ہوتی تھیں، اسراء کے بعد پانچ نمازیں فرض ہوگئیں۔ قرآن مجید میں نماز کا حکم تو موجود ہے، لیکن اس کی ہیئت وطریقہ کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی امت کو معلوم ہوا "صلوا کما رأیتمونی أصلی" آپ کی قولی اور فعلی ہدایت پر معلوم ہوا۔ (حجۃ اللہ البالغہ، اردو جلد اول، ص:234)

اس طرح نماز کی طہارت وغیرہ کے مسائل دیکھیں تو وہ بھی آپ کے بتائے ہوئے ہیں اور قرآن مجید میں طہارت کے مسائل اٹھارہ سال بعد سورہ مائدہ میں نازل ہوئے۔ اسی طرح تحویل قبلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا۔ دین اسلام ایک توسیع نظام حیات ہے، عقائد، عبادات، احکام، معاملات، آداب و اخلاق، معاشرت کے تمام شعبے، جہاد وقتال، صلح وجنگ، حکومت وسیاست وغیرہ انسانی معاشرت ومعیشت کے تمام مسائل پر حاوی ہے اور ظاہر ہے تعلیمات نبوت اور احادیث نبویہ ان سب پر حاوی ہے۔ اس میں تو ذرہ برابر شک نہیں کہ دین اسلام کا تفصیلی اور عملی نقشہ نہ انفاس قدسیہ یعنی احادیث نبویہ کے انضمام کے بغیر تیار ہوسکتا ہے اور نہ دین متین کی تکمیل وتشریح سنت نبویہ کے بغیر ممکن ہے۔ اسلام کی دونوں مشعلیں قرآن و

حدیث روشن اور واضح ہیں، یہ ہر قسم کے طوفانوں، آندھیوں اور جھگڑوں سے محفوظ ہیں۔ (راہ سنت، ص:50/70)

رسول کی پیروی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب ہم قرآن وحدیث دونوں کو ساتھ ملائیں (کیف تکفرون و انتم تتلی علیکم آیات اللہ و فیکم رسوله) (آل عمران) تم کس طرح کفر اختیار کرسکتے ہو دراں حال کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں تمہیں برابر پڑھ کر سنائی جارہی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول بھی موجود ہے؟ (حجۃ اللہ البالغہ 1/235)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا وجوب آپ کی زندگی میں

عرب کے ریگ زاروں میں جب توحید کی رم جھم برسنے لگے تو گناہوں نے لتھڑے ہوئے اور بے چین انسانوں کو سکون محسوس ہونے لگا۔ اسلام کی سادہ تعلیمات کو قبول کرتے اور پرانے عقائد و توہمات سے کنارہ کش ہوجاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سن کر وہ آپ ہی کی پیروی کرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کرام قرآن حکیم کی جو آیات آپ علیہ السلام سے سیکھتے ان سے شرعی احکام کا استفادہ کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر قرآن مجید کی آیات مجمل نازل ہوتیں، جن کی کوئی تفصیل نہ ہوتی، یا مطلق ہوتیں، جن کے ساتھ کوئی قید نہ ہوتی، مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی آیات۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول کی ذمہ داری یہی بتلائی کہ وہ قرآن کی تفصیل بتانے والے اور اس کی آیات کے معانی ومصادیق کی وضاحت کرنے والے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: (وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفکرون) (النحل:50)

اور ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ پر اس لئے اُتارا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ اس چیز کو بتلائیں جو ان کی طرف اتاری گئی، تاکہ وہ اس میں غور وفکر کریں۔ (المصنفات فی الحدیث، ص:50)

اس طرح جب لوگوں کے درمیان اختلاف ہو تو آپ حق کی وضاحت کریں: (وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه وهدیً و رحمة لقوم یؤمنون) (النحل:64) اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لئے اتاری ہے کہ جن امور میں لوگ اختلاف کررہے ہیں آپ لوگوں پر ان کی وضاحت کردیں اور ایمان لانے والوں کی راہ نمائی اور رحمت کی غرض سے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر کوئی اختلاف نہیں کرسکتا اور نہ خلاف ورزی کرسکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ فرمادیں وہی نافذ ہوگا، کسی کو چوں چرا کرنے کی اجازت نہیں ہے اور امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلہ پر سر تسلیم کرنا لازم وضروری قرار دیا، ارشاد ربانی ہے: (فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکمون فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما) (النساء: 65۔ (راہ سنت)

تو (یوں ہی) نہیں، قسم ہے تمہارے رب کی! یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ آپس میں واقع ہونے والے ہر جھگڑے میں تم سے تصفیہ نہ کرائیں، پھر تمہارے فیصلے سے یہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پورے طور پر اس کو تسلیم نہ کرلیں۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے بھی سنت کا مصداق اور حجت شرعیہ ہیں اور ان سے امت کا فرار ممکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو تعلیمات دیں ان میں بھی بڑے واضح انداز میں اپنی پیروی کو امت کے لئے لازم قرار دیا، حضرت عرباض بن ساریہؓ (المتوفی 75) کی روایت میں تصریح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین، عضوا علیها بالنواجذ، و ایاکم و محدثات الامور، فان کل محدثة بدعة۔" (مستدرک حاکم،ص:96،بحوالہ راہ سنت)

تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو معمول بناؤ اور اپنی داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے اس کو پکڑو، تم نت نئی باتوں سے پرہیز کرو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے۔(راہ سنت،ص:24)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور تعمیل حکم ہر اس چیز میں فرض کی گئی ہے، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں (ما اتاکم الرسول فخذوه و ما نهاکم عنه فانتهوا واتقوا الله) (الحشر) پھر دوسری آیت میں رسول کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا۔ (واطیعوا الله والرسول لعلکم ترحمون)۔(آل عمران:132)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور رسول کی پیروی کو اپنی محبت کا سبب قرار دیا۔(من یطع الرسول فقد اطاع الله) (النساء)

"جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی ایمان کے لوازم میں سے قرار دیا ہے کہ جب اہل ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کام میں شریک ہوں تو بغیر آپ سے اجازت لئے کہیں نہ جائیں تو یہ بات بدرجہ اولیٰ ایمان کے لوازم میں سے ہونی چاہئے کہ وہ کوئی بھی قول، علم، مسلک آپ کی اجازت کے بغیر اختیار نہ کریں اور آپ کی اجازت کا علم انہی احادیث کے ذریعہ ہوسکتا ہے جو آپ سے مروی ہیں کہ آپ نے اجازت دی ہے (یا نہیں؟) (جامع بیان العلم 1/281)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وجوب عمل بالسنۃ کے دلائل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا وجوب جس طرح آپ علیہ السلام کی زندگی میں لازم وضروری تھا، اس طرح آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی امت کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے، اگر کوئی علم ودانش کا دعویٰ کرنے والا صرف قرآن مجید سے استدلال کرنا چاہئے اور کہے کہ میں صرف قرآن مجید سے راہ نجات حاصل کروں گا تو یہ اس کی خام خیالی اور عقل کا فتور ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جس طرح قرآن مجید نے صراحت کی کہ آپ علیہ السلام کی پیروی لازم ہے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی لازم ہے۔ (المصنفات فی الحدیث،ص:30تا40)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حدیثوں میں امت مسلمہ کو متنبہ فرمایا: اور وہ دونوں روایتیں معنوی اعتبار سے تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ حاکم اور ابن عبدالبر نے عبداللہ بن عمر بن عوف عن ابیہ عن جدہ کی سند سے نقل کیا ہے۔ "ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتاب الله و سنتی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ایک اللہ کی کتاب، دوسرے میری سنت۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی۔ قالوا: یا رسول الله و من یأبی؟ قال : من اطاعنی دخل الجنة، ومن عصانی فقد ابی۔ (البیهقی)

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح انداز میں فرمایا کہ جو سنت اور قرآن کو مضبوطی سے پکڑے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا۔

اخرج ابو عبدالله الحاکم عن ابن عباسؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی

خطبة الوداع: ان الشیطان قد یئس ان یعبد بارضکم، ولکنه رضی ان یطاع فیما سوی ذلک مما تحقرون من اعمالکم فاحذروا، انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به، فلن تضلوا أبداً: کتاب الله و سنة نبیه. (السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی، صد: 64 وشمائل کبریٰ جلد اول، ص:33)

ان احادیث کے ذریعہ امت کو ہدایت دی گئی کہ اگر دنیا اور آخرت کی فلاح وکامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو رسول اللہ کی اطاعت ضروری واجب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک انسان کے لئے انفرادی و اجتماعی، خانگی وملی، معاشرتی واخلاقی، ہر شعبہ، ہر پہلو، ہر گوشہ میں شمع ہدایت ہے اور جو شخص اس زندگی کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالے گا وہ دنیا وآخرت میں سرخرو ہوگا۔

ابوبکر داؤد نے اطاعت کے بارے میں فرمایا:

ودع عنك آراء الرجال وقولهم وقول رسول الله ازکیٰ واشرح (فلسفہ سیرت خاتم الانبیاء، ص:82)

سنت کے معنی ومفہوم اور اس کی تعریف

سنت کے لغوی معنیٰ طریقہ کار اور طرز عمل ہے، خواہ اچھا ہو یا برا، محدثین کی اصطلاح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی آپ کا قول، فعل یا بیان سکوتی، نیز آپ کی کوئی بھی جسمانی صفت یا اخلاقی کیفیت یا سیرت وخصلت خواہ آپ کی بعثت سے پہلے کی ہو یا بعد کی نقل کی گئی، اس کو سنت کہتے ہیں۔ (اسلام میں سنت و حدت کا تشریعی مقام، ص:65تا70)

علمائے اصول کے نزدیک سنت کی تعریف

ہر اس قول وفعل یا بیان سکوتی کو سنت کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف منسوب کرکے نقل کیا گیا ہو اور اس سے کوئی حکم شرعی ثابت ہوتا ہو۔ پھر آگے علماء نے حدیث کی دو قسمیں ذکر کی ہیں، ایک قولی، دوسری فعلی۔ حدیث قولی کہتے ہیں احکام شرعیہ کے معاملہ میں مختلف اوقات میں مختلف مواقع پر جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ سب سنت قولی میں داخل ہیں: "انما الاعمال بالنیات۔" (متفق علیہ)

اور حدیث فعلی عبادات وغیرہ کی کیفیات سے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام افعال واعمال جو صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کئے ہیں سنت فعلی کہلاتے ہیں، جیسے نماز، روزہ کی کیفیت وغیرہ۔ (المصنفات فی الحدیث، ص:40تا50)

فقہاء کی اصطلاح میں سنت کے معنی ہر وہ حکم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، لیکن نہ فرض ہو، نہ واجب۔ سنت کا لفظ اس معنی کے اعتبار سے احکام فقہیہ خمسہ سے فرض اور واجب کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ فقہائے امت نے حدیث اور سنت کی تعریف ایک ہی طرح کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل امت مسلمہ کے لئے سنت کا درجہ رکھتا ہے، پھر بعض احکام تو فرض اور واجب کا درجہ رکھتے ہیں اور بعض سنت ومستحب کا درجہ رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسوہ حسنہ ہے، ایک مکمل شخصیت اسی وقت وجود میں آتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے۔ حافظ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی نے ایک خوبصورت شعر کے انداز میں یہ بات کہی ہے۔ (ارکان اربعہ، ص:30)

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

صحابہ کرام کا جذبہ اتباع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کے اندر توحید کی دعوت دی تو قریش کے روسا نے آپ کی مخالفت میں کمر کس لی، طرح طرح کی سزائیں دیتے اور جو لوگ راہ ہدایت، راہ یاب ہوجاتے ان کے لئے ایذا

رسائی کے مختلف ہتھکنڈے اپناتے، تا کہ وہ دین سے برگشتہ ہوجائیں اور واپس شرک و بت پرستی کے دامن میں پناہ پکڑیں، لیکن ایک مرتبہ جو دین اسلام کے اندر داخل ہوگیا مجال ہے دوبارہ وہ اسلام کو چھوڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے الگ ہو۔ صحابہ کرامؓ افراط وتفریط اور تکلف مبالغہ آرائی سے محفوظ رہ کر دین کی گہرائیوں تک پہنچ گئے اور انہوں نے مقاصد شریعت، رموز کتاب اور اسرار احکام کے بیان اور تشریح میں وہی طریقہ اختیار کیا جو شریعت کو مطلوب تھا، جو اولین مسلمانوں کا شیوہ تھا اور جو براہ راست اس کے مخاطب تھے۔ یہ لوگ دین کی گہری بصیرت، صحیح فہم، عمیق علم، مکمل عمل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم اتباع اور علم و عمل کے میدان میں جہد مسلسل کے جامع تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ہدایت کے تمام راستے کھول دیے اور دشوار چیزوں کو آسان بنادیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین)۔

(العنکبوت:69) (فلسفہ سیرت خاتم الانبیاء، ص:65 تا 80، گلزار سنت، ص:20)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ تسلیم و رضا ایسا تھا جس میں سراسر بندگی، رضا و تسلیم، خشوع و خضوع اور سجدہ تعظیم کا جذبہ تھا، یہ جذبہ تاریخ کے ہر دور میں انسانیت کے ہر طبقہ میں رفیق رہا اور وہ کبھی اس سے آزاد نہیں ہوسکتا، اپنے ابتدائی دور میں اور یہ ابتدائی دور دنیا کے بعض حصوں میں اب تک موجود ہے، انسان پتھروں، دریاؤں، درختوں کے سامنے اپنی پیشانی ٹیک کر اس جذبہ کی تسکین کرتا تھا۔ آگ، سورج، چاند، ستاروں کی عبادت کرتا تھا، فطرت کے مظاہر اور کائنات کی قوتوں، کاہنوں، راہبوں، جنوں، روحوں کے سامنے سر تسلیم خم کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لوگوں کو شرک و بت پرستی کی آلائشوں سے نکال کر توحید کی پاکیزہ و پاک سیرت زندگی عطا کی اور وہی جو خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے۔ اور دین کے ایسے شیدائی بن گئے کہ لوگوں نے تپتی ریت پر لٹا کر کوڑے مارے، نیزے سے بدن چھلنی کیئے، تلوار کے گھاٹ اتارا، پھانسی کے گھاٹ پر چڑھایا، لیکن زبان مبارک سے "احد احد" کا نعرہ ہی بلند ہوا اور کائنات کی کوئی ہستی ان کو دین سے برگشتہ نہ کرسکی۔ (ارکان اربعہ، ص:30)

آپ صلی الہ علیہ وسلم جو بھی کام کرتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی اتباع کرتے۔ سفر ہو یا جنگ، دن ہو یا رات، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سونے کی انگوٹھی بنوائی تو صحابہ کرامؓ نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں، اس کے بعد آپ علیہ السلام نے اس انگوٹھی کو اتار پھینکا اور فرمایا میں اب کبھی سونے کی انگوٹھی نہیں پہنوں گا تو صحابہ نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔ ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی رکعتیں پڑھائی تھیں (کہ نماز ہی میں) آپ کو مسجد حرام بیت اللہ کی طرف رخ کرلینے کا حکم ہوا تو آپ مسجد حرام کی طرف گھوم گئے تو صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ گھوم گئے۔ (سنت حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد اتباع کرتے تھے، جس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی وہاں نماز پڑھتے، ایک درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا آپؓ اس کی بڑی نگہداشت کرتے اور اسے پانی دیا کرتے تھے، تا کہ وہ خشک نہ ہوجائے۔ (گلزار سنت، شمائل کبریٰ 1/30)

اتباع سنت کی اہمیت پر حضرات سلف صالحین کے اقوال

جس طرح حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک اتباع سنت کی اہمیت و فضیلت مسلم تھی، اس طرح امت کے سلف صالحین بھی اتباع سنت میں یکتائے روزگار تھے، اپنے قول و عمل کے ذریعہ انہوں نے ثابت کیا کہ وہ اس دین کی پیروی کرنے والے ہیں جس پر صحابہ کرامؓ چلے، چنانچہ امام مالکؒ نے اتباع سنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ان **السنة مثل سفينة نوح، من ركبها نجى، و من تخلف غرق**۔" سنت کی پیروی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے، جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو رہ گیا وہ غرق ہوگیا۔

حضرت فضیل بن عباسؓ فرماتے ہیں:

"**لان العمل اذا كان خالصاً غير صواب لم يقبل، وكذلك اذا كان صوابا غير خالص**۔" یعنی جو عمل خالص ہو، مگر صواب (سنت کے مطابق) نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوتا، عمل تو وہ قبول ہوتا ہے جو خالص ہو اور سنت کے مطابق ہو۔ (سنت حبیب:49)

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ "**لا يستقيم قول و عمل و نية الا بموافقة السنة**۔" کوئی بھی قول اور عمل اور نیت ٹھیک نہیں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق نہ ہو۔

امت مسلمہ کی نجات اتباع سنت پر موقف

ایک مسلمان کو جس طرح قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ضروری و لازمی ہے، اسی طرح سنت کی اتباع بھی ضروری ہے، کسی شخص کے لئے اس سے مفر نہیں کہ وہ سنت کو چھوڑ کر صرف اور صرف قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرے، برصغیر پاک و ہند میں جہاں دین کے خلاف اور بہت سارے فتنے وجود میں آئے وہاں انکار حدیث اور انکار سنت کا فتنہ بھی وجود میں آیا اور اس کی بنیاد ان لوگوں نے رکھی جن کے نزدیک عقل ہی معیار زندگی ہے اور جو چیز عقل میں نہ آتی ہو اس کا انکار کردیتے، اس طرح ان لوگوں نے معجزات وغیرہ کا بھی انکار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بھی انکار کیا، جس کی وجہ سے ایک بڑا طبقہ اس کی زد میں آیا اور حدیث رسول کا انکار کر بیٹھا۔ (تدوین حدیث، ص:55 تا 70)

قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصبی بیان فرمائے ہیں ان میں تلاوت آیات کے ساتھ ساتھ تعلیم کتاب وحکمت کا بھی ذکر ہے، اگر آپ کا مقصد بعثت تلاوت آیات ہی ہوتا، اس کی تعلیم وتشریح کی ذمہ داری نہ ہوتی تو قرآن کریم کتاب وحکمت کے الگ عنوان سے اس کا ذکر کبھی نہ کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک مطاع ومتبوع، قرآن کے معلم ومبیّن اور حاکم وحَکَم کی ہے:

سب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مؤمن کا بے زری سے نہیں
یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم ہوتی ہے کہاں سے پیدا

□□□

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بقایاجات کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تا کہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/بجے سے شام ۵/بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/بجے سے ۵/بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

مفتی امانت علی قاسمی

امام ابوحنیفہؒ کی فراست

امام اعظم ابوحنیفہ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ فراست و ذکاوت سے نوازا تھا، امام صاحب مشکل سے مشکل مسائل کو اتنی آسانی سے حل فرماتے تھے کہ بڑے بڑے علم وفن کے تاج دار بھی حیران ششدرر ہ جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وقت کے جبال العلم علماء اور فقہ وحدیث کے آفتاب و ماہتاب نے آپ کی ذہانت، حاضر جوابی اور فراست و ذکاوت کا اعتراف کیا ہے اور نہ صرف آپ کے معتقدین، بلکہ معاصرین اور متعصبین نے بھی اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو فہم وفراست میں ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر نہیں دیکھا ہے۔ (تاریخ بغداد 459/15) ان کا ہی قول ہے اگر ابوحنیفہؒ کی عقل کو نصف اہل زمین کی عقل سے تولیں تو ابوحنیفہ کی عقل غالب آجائے گی۔ (اخبار ابوحنیفہ و اصحابہ 91/1) ہارون رشید نے جب امام صاحب کے بارے میں سنا تو فرمایا کہ ابوحنیفہ اپنے دل کی آنکھوں سے وہ چیز دیکھ لیتے ہیں جو ہم اپنے سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتے ہیں۔ (تاریخ بغداد 16/369) یزید بن ہارون کہتے ہیں میں بہت سے لوگوں سے ملا لیکن میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ عقل مند کسی کو نہیں پایا۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ 42/1) امام شافعی فرماتے ہیں کہ عورتوں نے ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو عقل مند پیدا نہیں کیا۔ (مناقب ابی حنیفہ للموفق 155/1)

تاریخ کی کتابوں میں امام صاحب کی ذہانت و ذکاوت اور فہم وفراست کے بہت سے حیران کن واقعات مذکور ہیں، امام صاحب کی فراست کے ان واقعات سے علمی و فقہی مسائل کی گرہ کشائی کے راستے اور عقدہ لاینحل کو حل کرنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں، نیز یہ واقعات ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں اور فکر صحیح و فکر سلیم کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔ ذیل میں چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں، جن سے امام صاحب کا علمی تبحر، جامعیت، کاملیت، قوت استحضار اور مجتہدانہ شان چھلکتی نظر آتی ہے۔

تین طلاق کا ایک پیچیدہ مسئلہ

ایک مرتبہ امام صاحب کی مجلس میں ایک شخص آیا اور دریافت کیا کہ ایک شخص نے تین قسمیں کھائیں ہیں اور نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے، آپ ہی اس کا کوئی حل فرمادیں، امام صاحب نے معلوم کیا تو اس شخص نے بتایا کہ صاحب واقعہ نے اولاً قسم کھائی کہ اگر میں کسی بھی وقت کی نماز نہ پڑھوں تو میری بیوی کو تین طلاق، پھر قسم کھائی اگر آج میں بیوی سے وطی نہ کروں تو اس کو تین طلاق، پھر قسم کھائی کہ اگر میں غسل جنابت کروں تو اس پر تین طلاق۔

علماء اس مسئلے کے حل سے عاجز آچکے تھے، لیکن امام صاحب کی باریک بینی اور دور رسی کی داد دیجئے، سر اٹھایا اور چٹکی میں مسئلہ حل فرمادیا، امام صاحب نے فرمایا صاحب واقعہ آج عصر کی نماز پڑھ لے اور عصر کی نماز سے فراغت کے بعد اپنی بیوی سے وطی کرلے، پھر جب سورج غروب ہوجائے تو یہ شخص غسل کرلے اور مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ لے، طلاق واقع نہیں ہوگی اور تینوں قسمیں پوری ہوجائیں گی۔ (عقود الجمان، ص:277)

مسئلہ یہ ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں رات دن کے تابع ہوتی ہے، لہٰذا جب سورج غروب ہوجاتا ہے تو اسی وقت سے اگلا دن شمار ہونے لگتا ہے، مثلاً عید کا چاند

نظر آتے ہی عید کا حکم لگایا جاتا ہے، اسی حکم کے پیش نظر صاحب واقعہ کا غسل آج کے دن میں شمار نہیں ہوگا، بلکہ غروب کے بعد نہانا گویا کل آئندہ کا عمل ہے۔

امام صاحب کا حکیمانہ فیصلہ

کوفہ کے ایک شخص نے بڑے دھوم دھام سے ایک ساتھ اپنے دو بیٹوں کی شادی کی، ولیمہ کی دعوت میں امام اعیان و اکابر موجود تھے، مسعر بن کدام، حسن بن صالح، سفیان بن ثوری، امام اعظم بھی شریک دعوت تھے، لوگ بیٹھے کھانا کھارہے تھے کہ اچانک صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا اور کہا ''غضب ہوگیا'' زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے بیویاں بدل گئیں، جس عورت نے جس کے پاس رات گزاری وہ اس کا شوہر نہیں تھا۔

سفیان ثوری نے کہا امیر معاویہ کے زمانے میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا، اس سے نکاح پر کچھ فرق نہیں پڑتا ہے، البتہ دونوں کو مہر لازم ہوگا، مسعر بن کدام، امام صاحب کی طرف متوجہ ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ امام صاحب نے فرمایا پہلے دونوں لڑکوں کو بلایا جائے، تب جواب دوں گا، دونوں شوہروں کو بلایا گیا امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات تم نے جس عورت کے ساتھ رات گزاری ہے اگر وہی تمہاری نکاح میں رہے کیا تمہیں پسند ہے؟ دونوں نے کہا ہاں! تب امام صاحب نے فرمایا تم دونوں اپنی بیویوں کو جن سے تمہارا نکاح پڑھایا گیا تھا انہیں طلاق دے دو اور ہر شخص اس سے نکاح کرلے جو اس کے ساتھ ہم بستر رہ چکی ہے۔ (عقود الجمان، ص:255)

حضرت سفیان ثوری نے جو جواب دیا تھا مسئلہ کے لحاظ سے وہ بھی صحیح تھا، وطی بالشبہ کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا ہے، مگر امام صاحب نے جس مصلحت کو پیش نظر رکھا وہ ان ہی کا حصہ تھا، اس لئے کہ وطی بالشبہ کی وجہ سے عدت تک انتظار کرنا پڑتا، جو اس وقت ایک مشکل امر تھا، پھر عدت کے زمانے میں ہر ایک کو یہ خیال گزرتا کہ میری بیوی دوسرے کے پاس رات گزار چکی ہے، اور اس کے ساتھ رہنے پر غیرت گوارہ نہ کرتی اور نکاح کا اصل مقصد الفت ومحبت، اتحاد واعتماد بڑی مشکل سے قائم ہوپاتا۔

تکفیر میں حزم واحتیاط

امام صاحب حتی الامکان مومن کی تکفیر سے احتراز کرتے تھے، امام صاحب کا مسلک تھا کہ اگر کسی مسلمان میں کفر کی ننانوے وجوہات ہوں اور صرف ایک وجہ ایمان کی موجود ہو تو اسی کو ترجیح دی جائے گی اور ممکن حد تک مومن کے فعل کی تاویل کی جائے گی، چنانچہ امام صاحب کے مختلف سوانح نگاروں نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، اس کے باوجود وہ جنت کی خواہش نہیں رکھتا، جہنم سے ڈرتا نہیں، مردار کھاتا ہے، بلا رکوع وسجدے کے نماز پڑھتا ہے، اس چیز کی شہادت دیتا ہے جسے اس نے دیکھا تک نہیں، حق بات کو ناپسند کرتا ہے، رحمت خداوندی سے دور بھاگتا ہے اور یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔

بظاہر یہ سب وجوہات کفر ہیں، جو اس شخص میں موجود ہیں، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ جس شخص نے یہ سوال کیا تھا وہ امام صاحب سے بغض رکھتا تھا، آپ نے پوچھا تم ان سوالات کا حل جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، لیکن یہ بہت بری چیز ہے، امام صاحب نے اپنے شاگردوں سے پوچھا، اس شخص کے بارے میں تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ ان سب نے ایک زبان ہوکر کہا جس شخص کی یہ صفات ہوں وہ بدترین انسان ہے، امام صاحب نے فرمایا میرے نزدیک وہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے، سائل کو حیرت ہوئی تو امام صاحب نے فرمایا: سنو! تمہارا یہ کہنا کہ جنت کی آرزو نہیں رکھتا اور جہنم سے نہیں ڈرتا ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ شخص جنت کے مالک کی آرزو رکھتا ہے اور جہنم کے مالک سے ڈرتا ہے، تمہارا یہ کہنا کہ مردار کھاتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ مچھلی

کھاتا ہے، تمہارا یہ کہنا کہ بلا رکوع وسجدہ کے نماز پڑھتا ہے اس کا مطلب ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھتا ہے، تمہارا یہ کہنا کہ حق کو ناپسند کرتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص زندگی کو پسند کرتا ہے، تاکہ اللہ کی خوب اطاعت کر سکے اور موت کو ناپسند کرتا ہے جب کہ موت حق ہے، تمہارا یہ کہنا کہ فتنہ کو پسند کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مال اور اولاد سے محبت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (انما اموالکم واولادکم فتنة) تمہارا یہ کہنا کہ رحمت سے بھاگتا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ بارش سے بھاگتا ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے تو وہ یہود کے اس قول "لیست النصاری علی شیء" اور نصاریٰ کے قول "لیست الیهود علی شیء" کی تصدیق کرتا ہے، جو کہ عین ایمان ہے، یہ سن کر وہ آدمی کھڑا ہوا اور امام صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ آپ نے حق فرمایا، میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ (عقود الجمان، ص:251)

رافضی نے توبہ کر لی اور شنیع حرکت سے باز آ گیا

کوفہ کا ایک رافضی حضرت عثمان ذوالنورین کے خلاف بکواس کرتا تھا، کبھی انہیں کافر کہتا اور کبھی یہودی، امام صاحب کو خبر ہوئی تو دفاع صحابہ کے لئے تڑپ اٹھے اور جب تک اس سے ملاقات نہ کر لی بے چین رہے، آخر اس رافضی کے پاس تشریف لے گئے اور بڑے ادب، محبت اور نرمی سے کہا بھائی! میں تیری لخت جگر (بیٹی) کے لئے فلاں صاحب کی طرف سے منگنی کا پیغام لایا ہوں، اللہ نے صاحب کو حفظ قرآن کی دولت سے نوازا ہے، اس کی تمام رات نوافل اور تلاوت قرآن میں گزرتی ہے، خدا کا خوف ہمہ وقت غالب رہتا ہے، تقویٰ میں اس کی نظیر نہیں، رافضی نے کہا بہت اچھا، یہ تو میری لڑکی کے لئے نہیں، بلکہ ہمارے پورے خاندان کے لئے سعادت ہے، امام صاحب نے فرمایا، مگر اس میں ایک عیب ہے کہ مذہباً یہودی ہے، رافضی کا رنگ بدل گیا اور جھلا کر بولا کیا میں اپنی لڑکی کی شادی یہودی سے کر دوں؟ تب امام صاحب نے فرمایا بھائی! آپ تو اپنی لخت جگر کو ایک یہودی کے نکاح میں دینے کو تیار نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور دل کے دو ٹکڑے (دو بیٹیاں) حضرت عثمان (جو آپ کے گمان میں یہودی تھا) کو کس طرح دے دیں؟ امام صاحب کا یہ ارشاد رافضی کی تنبیہ اور ہدایت کا باعث ہوا، وہ اپنے کئے پر نادم اور پشیمان ہوا اور خلوص دل سے توبہ کر کے ہمیشہ کے لئے ایسی حرکتوں سے باز آ گیا۔ (عقود الجمان، ص:273)

امانت کے منکر نے امانت واپس کر دی

ایک صاحب کوفہ میں ایک شخص کے پاس کچھ امانت رکھ کر حج کو گئے اور واپسی پر انہوں نے اپنی امانت واپس طلب کی تو اس شخص نے انکار کر دیا، وہ سیدھا امام صاحب کے پاس حیران و پریشان گیا اور اپنا حال بیان کیا آپ نے اس شخص سے فرمایا ابھی اس واقعہ کو کسی سے بیان مت کرنا اور اس شخص کو اپنے پاس بلوایا اور اس سے تنہائی میں فرمایا کہ ان دنوں چند اشخاص میرے پاس اس مشورہ کے لئے آئے ہیں کہ کون شخص قضا کی لیاقت رکھتا ہے، اگر تو پسند کرتا ہے تو میں تیرے لئے سفارش کر دوں گا اس نے بظاہر کچھ انکار کیا، لیکن عہدہ کی ہوس سے آخر راضی ہو گیا، امام صاحب نے اس کو رخصت کر دیا اور امانت رکھانے والے کو بلا کر کہا تو اب جا کر اپنی امانت طلب کر لے، مل جائے گی، جب اس نے جا کر دوبارہ امانت طلب کی تو اس نے اس خیال سے کہ میری بددیانتی کا شہرہ ہو جائے گا اور عہدہ قضا سے محروم ہو جاؤں گا اس نے امانت واپس کر دی، بعد میں امام صاحب کے پاس عہدہ قضا کا طالب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ عہدہ تیرے مرتبہ سے کم ہے، اس سے بڑے عہدہ کے لئے

میں خیال رکھوں گا۔ (اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ للصیمری، ص:40)

ایک عجیب وغریب تدبیر

امام طحاوی نے لیث بن سعد سے روایت کی کہ میں امام صاحب کا ذکر سنتا تھا، پھر مجھے امام صاحب کو دیکھنے کی تمنا ہوئی، اچانک میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے پاس بھیڑ لگائے ہوئے ہیں، میں ادھر متوجہ ہوا تو ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا اے ابوحنیفہ! میں سمجھ گیا کہ یہ وہی ابوحنیفہ ہیں، اس آدمی نے کہا کہ میں مالدار آدمی ہوں، میرا ایک لڑکا ہے، میں اس کی شادی کرتا ہوں اور بہت سارا مال خرچ کرتا ہوں، مگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور اس طرح میرا مال برباد ہو جاتا ہے، اس کی کوئی تدبیر ہے؟ امام صاحب نے فوراً فرمایا اس کو غلاموں کے بازار میں لے جاؤ، جب وہ کسی باندی کو دیکھنے لگے تو تم اس باندی کو اپنے لئے خرید کر اس کے ساتھ نکاح کرا دو، اگر وہ طلاق دے گا تو وہ تمہارے ملک میں رہے گی اور اگر آزاد کرے گا تو اس کا عتق جائز نہ ہوگا۔ لیث بن سعد کہتے ہیں خدا کی قسم! ان کا صحیح اور برجستہ جواب دینا مجھے بہت پسند آیا۔ (تذکرۃ النعمان، ص:144)

امام ابو یوسف کی تنبیہ

خطیب بغدادی نے محمد بن سلمہ سے اور ابوعبداللہ صیمری نے فضل بن غانم سے روایت کی ہے کہ امام ابو یوسف بیمار ہو گئے تو امام صاحب نے ان کی متعدد بار عیادت کی، آخری بار جب عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو ان کو بہت کمزور پایا تو انا للہ پڑھا اور فرمایا تمہارے بارے میں توقع ہے کہ تم میرے بعد مومنین کے لئے موجود ہو گے اور تمہاری موت کی مصیبت مومنین پر آئی تو تمہارے ساتھ علم کا بڑا ذخیرہ ضائع ہو جائے گا۔

ایک روایت یہ ہے کہ امام صاحب نے فرمایا اگر نوجوان مر گیا تو کوئی نہیں ہے جو اس نوجوان کی جگہ پُر کر سکے، یہ خبر امام ابو یوسف کو پہنچ گئی، ادھر اللہ کے فضل سے شفاء ہو گئی تو دل میں عجب پیدا ہو گیا اور علم فقہ کی الگ مجلس قائم کر لی اور امام صاحب کی مجلس میں جانا چھوڑ دیا، لوگوں کی توجہ ان کی طرف بھی ہو گئی، امام صاحب نے ان کے بارے میں لوگوں سے معلومات کیں تو لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنا حلقہ درس قائم کر لیا ہے، امام صاحب نے ایک آدمی کو بلایا اور فرمایا کہ ابو یوسف کی مجلس میں جاؤ اور معلوم کرو کہ ایک آدمی نے دھوبی کو دو درہم کے عوض کپڑا دھونے کے لئے دیا، کچھ دنوں کے بعد جب دھوبی کے پاس کپڑا لینے گیا تو دھوبی نے کپڑے کا ہی انکار کر دیا اور کہا تمہاری کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے، وہ آدمی واپس آ گیا، پھر دوبارہ اس کے پاس گیا اور اپنا کپڑا طلب کیا تو دھوبی نے دھلا ہوا کپڑا واپس اسے کر دیا اب دھوبی کو اجرت ملنی چاہئے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں ہاں ملنی چاہئے تو کہنا آپ سے غلطی ہو گئی اور اگر کہیں اس کو اجرت نہیں ملنی چاہئے تو بھی کہنا غلط، وہ آدمی امام ابو یوسف کی مجلس میں گیا اور مسئلہ معلوم کیا، امام ابو یوسف نے فرمایا اجرت واجب ہے۔ اس آدمی نے کہا غلط۔ امام ابو یوسف نے غور کیا، پھر فرمایا اس کو اجرت نہیں ملنی چاہئے۔ اس آدمی نے پھر کہا غلط۔ امام ابو یوسف فوراً اٹھے اور امام صاحب کی مجلس میں پہنچ گئے، امام صاحب نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دھوبی کا مسئلہ لایا ہے، ابو یوسف نے عرض کیا جی ہاں، امام صاحب نے فرمایا سبحان اللہ! جو شخص اس لئے بیٹھا ہو کہ لوگوں کو فتویٰ دے، اس کام کے لئے حلقہ درس جما لیا، اللہ کے دین میں گفتگو کرنے لگا اور اس کا مرتبہ یہ ہے کہ اجارہ کے ایک مسئلہ کا صحیح جواب نہیں دے سکتا، امام ابو یوسف نے عرض کیا حضرت! صحیح جواب بتا دیجئے؟ امام صاحب نے فرمایا اگر اس نے دینے سے انکار کے بعد دھویا تو اجرت کا استحقاق نہیں ہے، کیونکہ اس نے اپنے لئے دھویا ہے اور اگر غصب سے پہلے دھویا تھا تو اس کو اجرت ملے گی، اس لئے کہ اس نے مالک کے لئے دھویا تھا۔ (تذکرۃ النعمان، ص:223)

ابن ابی لیلیٰ کی چھ غلطیاں

حسن بن زیاد لولوی کہتے ہیں کہ میرے گھر کے قریب ایک پاگل عورت رہتی تھی، جس کا نام ام عمران تھا، ایک آدمی اس کے قریب سے گزرا اور اس سے کچھ کہا، پاگل عورت نے کہا یا ابن الزانیین (اے دوزنا کرنے والوں کے بیٹے) اتفاق سے قاضی ابن ابی لیلیٰ نے سن لیا، انہوں نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ لاؤ، ابن ابی لیلیٰ نے اس کو مسجد میں داخل کرا کر دو حدیں لگوائیں، ایک ماں پر تہمت لگانے کی، دوسرے باپ پر تہمت لگانے کی، امام صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن ابی لیلیٰ نے اس فیصلے میں چھ غلطیاں کی ہیں، اول یہ کہ وہ مجنونہ تھی اور مجنونہ پر حد نہیں ہے، دوسری مسجد میں حد لگوائی اور حدود مسجد میں حد نہیں لگائی جاتیں، تیسری غلطی یہ کی کہ اسے کھڑی کر کے حد لگوائی، جب کہ عورتوں پر حد بیٹھا کر لگائی جاتی ہے، چوتھی یہ کہ اس پر دو حدیں لگوائیں، جب کہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی پوری قوم پر تہمت لگائے تو اس پر ایک حد لگائی جاتی ہے، پانچویں غلطی یہ کی کہ حد لگانے کے وقت اس آدمی کے ماں، باپ موجود نہیں تھے، حالانکہ ان کا حاضر ہونا ضروری تھا، چھٹی غلطی یہ کی کہ دونوں حدوں کو جمع کر دیا حالانکہ جس پر دو حد واجب ہوں، جب تک پہلی خشک نہ ہو جائے، دوسری نہیں لگا سکتے، یہ فتویٰ ابن ابی لیلیٰ تک پہنچ گیا، انہوں نے امیر سے شکایت کر دی، امیر نے امام صاحب کو فتویٰ دینے سے روک دیا، اس کے کچھ دنوں کے بعد امیر کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کو کچھ مسائل پیش آئے، امام صاحب سے وہ مسائل پوچھے گئے آپ نے جواب دیا جو امیر کو پسند آیا، اس کے بعد اس نے امام صاحب کو اجازت دے دی اور امام صاحب اپنے مسند درس پر رونق افروز ہوئے۔ (تذکرۃ النعمان، ص:234)

امام صاحب کی ذہانت کا حیرت انگیز واقعہ

امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ ایک شخص امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے کچھ مال گھر میں دفن کیا تھا، لیکن جگہ بھول گیا کہ کہاں دفن کیا تھا، امام صاحب نے فرمایا تو میں کس طرح بتا سکتا ہوں؟ یہ سن کر وہ آدمی رونے لگا، امام صاحب نے اپنے تلامذہ سے کہا میرے ساتھ اس کے گھر پر چلو، وہ آدمی سب کو لے کر اپنے گھر پر آیا، امام صاحب نے فرمایا تم سوتے کہاں تھے اور کپڑے کہاں رکھتے تھے؟ وہ آدمی ایک کمرے میں لے گیا، اب امام صاحب نے اپنے شاگردوں سے کہا اگر یہ گھر آپ لوگوں کا ہوتا اور کچھ دفن کرنا ہوتا تو کہاں دفن کرتے؟ ایک نے کہا یہاں دوسرے نے کہاں وہاں، اس طرح پانچ جگہوں کی نشاندہی کی گئی امام صاحب نے ان جگہوں پر کھودنے کا حکم دیا، چنانچہ تیسری جگہ کھودنے پر مال نکل آیا، امام صاحب نے اس آدمی سے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر، اس نے تیرا مال لوٹا دیا۔

(تذکرۃ النعمان، ص:239)

ضحاک ہکا بکا رہ گیا

ابو ولید طیالسی سے روایت ہے کہ ضحاک شاری کوفہ آیا اور امام صاحب سے کہا توبہ کرو، امام صاحب نے فرمایا کس چیز سے؟ اس نے کہا حَکَم کو جائز قرار دینے سے، امام صاحب نے اس سے فرمایا تو مجھے قتل کرے گا یا مناظرہ؟ اس نے کہا مناظرہ، تو امام صاحب نے فرمایا اگر کسی چیز میں ہمارا، تمہارا اختلاف ہو تو فیصلہ کون کرے گا؟ اس پر ضحاک نے کہا تم جس کو چاہو فیصل بنالو، امام صاحب نے اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص سے کہا بیٹھ جاؤ، جس چیز میں ہمارا اختلاف ہو فیصلہ کرنا، پھر ضحاک شاری سے فرمایا میرے اور اپنے درمیان اس کے حکم ہونے پر راضی ہو؟ اس نے کہا ہاں، تو امام صاحب نے فرمایا پھر تو تم نے خود ہی تحکیم کو جائز قرار دے دیا، اس پر ضحاک ہکا بکا رہ گیا۔

(تذکرۃ النعمان، ص:236)

طلاق سے بچنے کیلئے بہترین تدبیر

امام ابوحنیفہ نے حماد کی ماں کے علاوہ ایک اور عورت سے نکاح کر لیا، جب حماد کی ماں کو معلوم ہوا تو انہوں نے اصرار کیا کہ دوسری بیوی کو طلاق دے دو اور خود امام صاحب سے الگ ہو گئیں، امام صاحب نے ایسی تدبیر کی کہ حماد کی ماں کو یقین ہو گیا کہ نئی بیوی کو تین طلاق پڑ گئی ہے اور ان کے قلب کو سکون ہو گیا۔

ہوا یہ کہ امام صاحب نے دوسری بیوی سے کہا کہ ام حماد کے پاس آنا، میں وہاں ہوں گا اور آ کر یہ مسئلہ پوچھنا کہ جب کسی نے کسی دوسری عورت سے نکاح کر لیا تو کیا پہلی عورت کے لئے جائز ہے کہ اپنے شوہر کو چھوڑ دے؟ امام صاحب کی تعلیم کے مطابق وہ آئیں اور یہی سوال کیا، امام صاحب نے جواب دیا کہ اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے شوہر کو چھوڑ دے، حماد کی ماں سن رہی تھی، کہنے لگی جب تک نئی بیوی کو طلاق نہیں دو گے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی، اس پر امام صاحب نے فرمایا میری ہر وہ عورت جو اس گھر کے باہر ہے اس کو تین طلاق۔ بس کیا تھا ام حماد خوش ہو گئیں اور معافی مانگی، جب کہ امام صاحب نے نئی بیوی کو طلاق بھی نہیں دی۔ (تذکرۃ النعمان، ص:251)

قسم سے بچنے کی تدبیر

مناقب زرنجری میں ہے کہ ایک شخص نے قسم کھائی اگر میں انڈا کھاؤں تو میری بیوی کو طلاق، اتفاق سے اس کی بیوی آستین میں رکھ کر انڈا لائی، اس نے کہا جو کچھ تیری آستین میں ہے اسے اگر نہ کھاؤں تو تمہیں طلاق، اس کو معلوم نہیں تھا کہ آستین میں انڈا ہی ہے، امام صاحب سے مسئلہ پوچھا گیا کہ کس طرح یہ آدمی اپنی قسم سے بری ہو سکتا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا انڈے مرغی کے نیچے رکھے جائیں، جب بچے نکل آئیں تو ذبح کر کے بھون کر کھائے یا پکا کر شوربا پی لے تو حانث نہ ہوگا، اس طرح جو کچھ آستین میں تھا اسے کھا لیا، خول اور چھلکے کا اعتبار نہیں، اس لئے کہ یہ کھائے نہیں جاتے ہیں۔ (تذکرۃ النعمان، ص:253)

حسن تدبیر کی بہترین مثال

ابوبکر محمد بن عبداللہ نے روایت کی ہے کہ "لولویہ" قبیلہ کے چند لوگ کوفہ آئے، ان میں سے ایک کی بیوی بہت خوبصورت تھی، ایک کوفی شخص اس سے چمٹ گیا اور دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے، عورت نے بھی کہہ دیا کہ میں اس کی بیوی ہوں، دوسری طرف لولوی نے بھی دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے، لیکن گواہ نہیں پیش کر سکا، امام صاحب کے سامنے مسئلہ پیش ہوا، امام صاحب قاضی ابن ابی لیلیٰ اور دیگر علماء کو ساتھ لے کر وہاں گئے اور کچھ عورتوں کو حکم دیا کہ لولوی کے خیمہ میں جائیں، جب عورتیں قریب گئیں تو لولوی کے کتے نے حملہ کر دیا، عورتیں واپس ہو گئیں، پھر امام صاحب نے اس عورت کو لولوی کے خیمہ میں جانے کا حکم دیا، جب وہ عورت قریب گئی تو کتا اس کے چاروں طرف دم ہلا ہلا کر گھومنے لگا، امام صاحب نے فرمایا حق ظاہر ہو گیا، تب عورت نے بھی اعتراف کر لیا اور مرد کے سامنے جھک گئی۔ (تذکرۃ النعمان، ص:255)

امام صاحب کی حاضر جوابی

ایک مرتبہ ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو طلب کیا اور ایک انگوٹھی کا نگینہ دکھایا، جس پر عطاء بن عبداللہ لکھا تھا اور کہا اس کو پہننا اچھا نہیں سمجھتا ہوں، کیونکہ اس پر غیر اللہ کا نام لکھا ہوا ہے اور اس کو مٹانا ممکن نہیں، اب کیا کیا جائے؟ امام صاحب نے فوراً جواب دیا کہ باء کے سر کو گول کر دو عطاء من عنداللہ ہو جائے گا ابن ہبیرہ کو امام صاحب کی اس برجستگی پر بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگا کتنا اچھا ہوتا اگر آپ ہمارے پاس بکثرت آتے، امام صاحب نے فرمایا آپ کے پاس آ کر کیا کروں گا اگر آپ مجھے مقرب بنائیں گے تو فتنہ میں مبتلا کریں گے اور اگر دور کر دیں گے تو رنجیدہ کر دیں گے، آپ کے پاس وہ چیز نہیں، جس کی مجھے تمنا ہے اور میرے پاس وہ چیز نہیں جس کا مجھے آپ کے حوالے سے خطرہ ہے۔

(تذکرۃ النعمان، ص:257)

متعلم محمد عادل علی خاں

مسلمانوں کی حالت زار

اسلام ایک کامل و مکمل دین اور ایک ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام نے زندگی کے ہر شعبے کے لئے مختلف احکام وضع کر رکھے ہیں۔ آج بہت سے لوگ اسلام کا دعویٰ تو بڑے شوق سے کرتے ہیں، لیکن اس کے احکام پر علم پیرا ہونے کے بجائے دنیا کے رواج یا غیر اسلامی طور طریق کو اختیار کرتے ہیں۔ اپنی جوانی اور بڑھاپا سب اسی میں ختم کر دیتے ہیں، گناہگار ہو کر جیتے ہیں اور اسی حالت میں مر بھی جاتے ہیں۔ داڑھی منڈے چہرے لے کر قبروں میں چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ حج وعمرہ کے لئے بھی یہ غیر مسنون چہرہ لے کر جاتے ہیں اور پھر اسی طرح واپس ہو آتے ہیں۔

ایک طرف دعویٰ تو اسلام کا ہے، لیکن شکل وصورت، عادات واطوار اور ظاہر و باطن دشمنانِ اسلام کے مماثل ہوتے ہیں۔ اس کو ہنر، کمال اور عزت بھی سمجھتے ہیں۔ یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسری طرف اللہ اور رسول کے دشمنوں کی صورت اپنانے کا شیوہ۔ دراصل انسان کا اپنا نفس اور شیطان دونوں دینی صلاح وفلاح کے کاموں سے روکتے ہیں اور مؤمن بندوں کو آخرت کی کامیابی سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے تقریباً زندگی کے تمام تر شعبوں میں یہی زندگی اختیار کر رکھی ہے۔

اول، نماز ہی کو دیکھ لیں۔ نماز کا اہتمام اور پابندی، نیز صحیح ارکان ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔ پھر جو پڑھنے والے بھی ہیں ان میں بہت سوں کو نماز صحیح یاد نہیں ہوتی، حالانکہ نماز ایک اہم فریضہ ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلے حساب نماز کے متعلق ہی ہوگا۔ اگر نماز صحیح نکلی تو ثواب ملے گا، اگر صحیح نہ ہوئی تو دوسرے اعمال بھی فاسد اور خراب اور بے فائدہ ثابت ہوں گے۔ اپنا ہی جائزہ لے لیں۔ اگر سالن میں نمک کم یا زیادہ ہو جائے تو بری طرح سے ڈانٹ دیتے ہیں اور تنخواہ کاٹ لیتے ہیں، لیکن احکم الحاکمین جل جلالہٗ کی بارگاہ عظیم میں کیسی نماز لے کر حاضر ہوں گے، اس کی ہمیں کوئی فکر نہیں۔

اگر زکوٰۃ کا جائزہ لیا جائے تو اس کا بھی یہی حال ہے۔ اول تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا دھیان ہی نہیں۔ اگر کسی کو کچھ خیال بھی ہے تو حساب سے نہیں دی جاتی، بلکہ چند روپے دو چار فقیروں کو دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے مال کا فریضہ ادا کر دیا۔

اگر بات تجارت کی کریں تو اس میں بھی جو طریقے کافروں اور دشمنانِ اسلام نے وضع کر رکھے ہیں انہی طریقوں کو اپنا کر آج کا مسلمان پیسہ کما رہا ہے اور قرآن وحدیث کی تعلیمات اور احکام کو پس پشت ڈالتا جا رہا ہے۔ بس اس کی یہی ایک تمنا ہے کہ وہ جو چاہے اور جیسے چاہے خریدے، حلال وحرام کی بالکل تمیز ہی نہ ہو، بس کسی طرح مال ہاتھ لگ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں میں بھی سودی کاروبار کا رواج بڑھتا چلا گیا ہے۔ مسلم معاشروں میں خلاف شرح معیشت اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہے۔ یہ کیسی ایمانداری اور دین داری ہے؟

اگر تعلیمی حوالے سے مسلمانوں کے رجحانات کا جائزہ لیں تو اس میں بھی مسلمان سازشوں کا شکار ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر مسلمانوں کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ ان کی اولاد انگریزی زبان بولے اور عصری فنون میں مہارت حاصل کرے اور پھر انجینئر، ڈاکٹر، سائنس داں یا پھر اور کوئی سرکاری عہدہ دار بنے، جس کے لئے یہ اپنی اولاد کو اسکولوں، کالجوں کی راہ دکھا دیتے ہیں۔ بہت کم ایسے

مسلمان ہیں جو اپنی اولاد کو دینی مدارس سے منسلک کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے، عصری علوم کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے، ان کی افادیت کا انکار نہیں، لیکن اس کے ساتھ دینی تعلیم بھی سیکھنی چاہئے۔ بہت سارے سادہ لوح مسلمان تو دینی تعلیمات کو کچھ سمجھتے ہی نہیں، انہیں صرف اسکول، کالج میں پڑھائی جانے والی تعلیم سے مطلب ہے اور اسی تعلیم کو وہ اعلیٰ تعلیم گردانتے ہیں۔ چنانچہ اسکول کالج کا پڑھا ہوا اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلایا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بڑھ کر اور کون سی تعلیم اعلیٰ ہو سکتی ہے؟ مغربی کلچر سے متاثر مسلمانوں کو اپنا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے، جو معیار تعلیم کو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی میں پرکھتے ہیں اور پھر اپنی گمراہی کے ساتھ ساتھ لوگوں کی گمراہی کا بھی سبب بنتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا تو بنیادی مقصد انسان کی اصلاح ہے اور اس طرح کی اصلاح کرنا کہ دنیا میں تمام انسان امن و امان کی زندگی بسر کریں اور اس طرح زندہ رہیں کہ اخلاق حسنہ کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، نیز آخرت کی لامتناہی زندگی کے لئے پورے اخلاق وتقویٰ کے ساتھ تیاری کریں کہ اللہ ان سے راضی ہو جائے اور یہ تب ہوگا جب وہ خالق کائنات اور مالکِ کل اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نور مجسم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں۔

اگر مسلمانوں کے لباس پر تبصرہ کیا جائے تو اس میں بھی مسلمان مغربی تہذیب کو اپناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آج کل ہمارے معاشرے میں یہ چیز زیادہ مقبول ہو رہی ہے کہ لڑکوں کو لڑکیوں کا لباس اور لڑکیوں کو لڑکوں کا لباس پہناتے ہیں۔ یہ طرز بھی یورپ وامریکا کے نابکاروں سے شروع ہوا ہے۔ اُن کے نزدیک یہ فیشن اور فخر کی چیز ہے۔ جب کہ اسلام میں اسے معیوب سمجھا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لعنت ہو ایسے مرد پر جو عورت کا لباس پہنے اور لعنت ہو ایسی عورت پر جو مرد کا لباس پہنے۔“ (رواہ ابوداؤد)

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کی ان مردوں پر جو عورتوں کی طرح شکل وصورت بنائیں اور لعنت کی ان عورتوں پر جو شکل وصورت میں مردانہ پن اختیار کریں اور ارشاد فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ (رواہ البخاری)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے بہت زیادہ نفرت تھی کہ مرد زنانہ لباس پہنیں یا کسی طرح بھی زنانہ پن اختیار کریں۔ اس بات سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت نفرت تھی کہ عورتیں مردانہ لباس پہنیں یا مردانہ چال ڈھال اختیار کریں اور اسی نفرت کے باعث اس طرح کے مردوں اور عورتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی۔

درحقیقت، عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مرد مرد بن کر رہیں اور عورتیں عورتیں بنی رہیں۔ آج کل کے لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو نہیں دیکھتے بلکہ مروجہ غیر اسلامی وضع قطع اور سج دھج کو اپنا آئیڈیل بناتے ہیں۔ اُدھر سے جو لباس اور طور طریق ملتا ہے اسی کو اختیار کرنا ذریعہ عزت سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ لباس اور طرز اور طور طریق اللہ کے نزدیک لعنت کا سبب ہی کیوں نہ ہو۔

عجیب بات یہ ہے کہ مردوں کے لئے شرعی حکم ہے کہ وہ اپنا پائجامہ ٹخنوں سے اوپر رکھا کریں اور عورتوں کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے ٹخنوں کو بھی چھپا کر رکھیں، لیکن آج صورت حال بالکل برعکس ہے۔ حالانکہ حدیث پاک میں اس مرد کے بارے میں سخت وعید آئی ہے جو اپنی شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص اپنی شلوار یا ازار ٹخنوں سے نیچے رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت رحمت کی نگاہ

سے نہیں دیکھے گا۔" (رواہ مالک) اب ایک جانب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے اور دوسری جانب عام لوگوں کی عار کا خوف۔ آج مسلمانوں کو لوگوں کی عار سے بچنے کی فکر تو ہے، پر نبی علیہ السلام کے ارشادات کی کوئی پرواہ نہیں۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ مسلمانوں کا طرز زندگی الگ ہے اور کافروں کا طرز زندگی الگ۔ کافر تو کبھی مسلمانوں کی وضع قطع اور شکل وصورت اختیار نہیں کرتے۔ لیکن جو لوگ ایمانی غیرت سے خالی ہیں وہ کافروں کے طرز زندگی سے متاثر ہیں اور ان کی طرف بڑھتے چلے جارہے ہیں، انہی کی تقلید کرتے ہیں، ان کے اعمال اپناتے ہیں، حتیٰ کہ دشمنان اسلام نے داڑھی نہ رکھنے کا سلسلہ کیا تو دینداری کا دعویٰ کرنے والوں تک نے اس کو بھی اپنالیا۔ بعض کہہ دیتے ہیں کہ یہ سنت ہی تو ہے...... پہلے فرائض وواجبات تو پورے کرلیں۔ اگر یہی حال ہے تو ایمان کے تقاضوں کو کیونکر پورا کیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ عزت تو وہ ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نزدیک عزت ہو اور اصل عزت وہ ہے جو موت کے بعد حاصل ہو، چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (أیبتغون عندھم العزۃ فان العزو للہ جمیعاً)

ترجمہ: "کیا یہ کافروں کے پاس عزت چاہتے ہیں؟ سو عزت ساری اللہ کے لئے ہے۔"

اسی طرح بہت سے لوگوں کو اسلامی قوانین نافذ کرنا منظور نہیں۔ یہ ایمان کے دعوے دار اسلام کے قوانین کو ظالمانہ قوانین کہتے ہیں اور دشمنان اسلام جو سمجھائیں وہی سوچتے ہیں اور جو وہ کہلوائیں وہی کہتے ہیں۔ اسلام کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کو عیب سمجھتے ہیں اور احکام اسلام کے جو فوائد ہیں اور جو ثمرات ہیں ان سے غافل ہیں، اس لئے دشمنوں کے سامنے جھک جانے میں ترقی محسوس کرتے ہیں، اللہ جل جلالہٗ کا فرمان ہے: (ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار)

(سورۂ ہود:113)

ترجمہ: "اور نہ مائل ہوجاؤ ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا، کہیں تمہیں آگ نہ پہنچ جائے۔"

اس آیت مبارکہ کے مضمون پر غور کریں اور خوب سمجھ لیں کہ اغیار کی طرف جھکنے کا کیا انجام ہے۔

اصل میں آج مسلمان مغرب کی گھناؤنی سازشوں کا شکار ہوچکے ہیں، کیونکہ مغرب نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو جسمانی طور پر اتنی آسانی سے ختم نہیں کیا جاسکتا تو اس کے تخریبی ذہن نے اس سے زیادہ کاری ضرب لگانے کا منصوبہ بنالیا، جو جنگوں کی ذریعے تباہی سے زیادہ خطرناک ہے کہ اہل اسلام اپنی مرضی سے ہمارے بچھائے ہوئے جال میں اپنے آپ کو جکڑ لیں اور اپنی تباہی کا سامان اپنی مرضی سے اختیار کرتے ہوئے ذہنی طور پر مفلوج ہوجائیں۔ تب ان مسلمانوں کو زیر کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ اپنے اس منصوبے کی تکمیل کی خاطر مسلم دشمن قوتوں نے مختلف مؤثر آلات و ذرائع کے ذریعے ایسی اسکیمیں تیار کیں کہ ہم مسلمان انتہائی آسانی سے اپنی مرضی سے ان کے اس ناپاک جال میں پھنستے چلے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فحاشی عام ہوگئی اور دینداری مفقود۔ بے ایمانی اور بے حیائی کا یہ زہر ہماری رگوں میں بہت تیزی سے سرایت کرتا جارہا ہے۔ انسانیت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔

انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نسخہ کیمیا آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے تجویز کیا تھا وہ تو قرآن کریم ہے، جو بلاشبہ اہل اسلام کی روحانی غذا اور روحانی شفا ہے۔ مسلمانوں کے لئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ حیات میں اتباع کا بہترین نمونہ ہے۔ قرآن اور سنت، یہ دو ہی کامیابی کی ضمانت ہیں۔

آیئے، پختہ عزم کرتے ہیں کہ آج سے ہمیں مغرب کی کسی معاملے میں تقلید نہیں کرنی۔

(بقیہ......صفحہ......۴۲......پر)

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س: اپنے گھر کا جانور ہے تقریباً ڈھائی سال کا ہوگیا ہے۔ لیکن ابھی اس کے دانت نہیں آئے ہیں، اس کی قربانی کرسکتے ہیں یا نہیں؟

ج: گھر کا جانور ہے اور دو سال سے اوپر کا ہوگیا ہے تو اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔ اصل اعتبار سال کا پورا ہونا ہے۔ (شامی-5/226)

س: دو تین شخصوں نے مل کر ایک قربانی کا بکرا خریدا، اور سب نے ایک ہی نیت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربانی کریں، اور سب نے اپنے نام سے الگ سے بھی قربانی کی ہے تو کیا اس طریقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام قربانی کرنا صحیح ہے؟

ج: یہ قربانی جائز ہے، اس لئے کہ بکرے میں ایک ہی کی طرف سے قربانی ہوسکتی ہے، اور یہاں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہے، اس طرح اراقہ ایک ہی کی طرف سے ہے، لیکن بہتر یہ تھا کہ آنحضور کے نام سے پوری قربانی ایک شخص کرتا۔ (شامی-5/229)

س: ایک آدمی نے پچھلے سال ایک ایسے بڑے جانور کی قربانی کی منت مانی تھی جس کی قیمت دس بارہ ہزار تک ہو، لیکن وہ اپنی منت پوری نہ کرسکا، لہٰذا وہ اس سال قربانی کرنا چاہتا ہے، لیکن ایسی جگہ ہے جہاں بڑا جانور نہیں مل رہا ہے اور دوسرے جانوروں کی قیمت اتنی ہے کہ وہ انہیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ اپنی منت کیسے پوری کرے؟

ج: صورت مسئولہ میں جس چیز کی نذر مانی تھی اس کی ادائیگی کرے، اگر خود نہیں کرسکتے تو کسی دوسری جگہ جانے والوں سے کرادیں۔ یہ بھی ممکن نہ ہو اور ایام قربانی گزر جائیں تو جتنے روپیوں کے جانور کی قربانی کرنے کی نذر مانی تھی اتنے روپے صدقہ کردیں۔ (شامی-3/76 کتاب الفتاوی-6/149 احسن الفتاوی-5/483)

س: ایک مسلم نوجوان کو بعض نامعلوم افراد نے قتل کرکے زیر زمین دبادیا تھا، دو تین دن کے بعد اس کا علم گاؤں کے مسلمانوں کو ہوا، جس کے بعد پولیس کے تعاون سے اس لاش کو نکالا گیا۔ اور بغیر نماز جنازہ اور بغیر غسل کے اس لاش کو دفن بھی کردیا گیا، مسلمانوں کا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے؟ جواب دیتے وقت یہ بھی یاد رہے کہ لاش میں بدبو پیدا ہوگئی تھی؟

ج: مسلمان میت پر نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے، جان بوجھ کر سب چھوڑ دیں تو سب گنہ گار ہوں گے، اور بعض پڑھ لیں تو سب کی طرف سے فرض ادا ہوجاتا ہے، لیکن جو مسئلہ آپ نے لکھا ہے اس میں پہلی مرتبہ تو مسلمانوں کو علم ہی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس وقت تو جنازہ کی نماز پڑھنا ممکن بھی نہیں تھا، پھر جب لاش نکالی گئی تو اگر لاش پوری طرح پھٹ کر مسخ ہوگئی تھی تو اس پر جنازہ کی نماز پڑھنی بھی نہیں چاہئے تھی، اس لئے کہ نماز جنازہ بدن میت پر مشروع ہے۔ اور اس کو بدن میت نہیں کہہ سکتے، لیکن اگر بدن سلامت تھا تو مسلمانوں کو غسل دلاکر اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے تھی۔ (البحر الرائق 2/182، رحیمیہ-3/98)

س: ہمارے گاؤں میں ایک نہایت قدیم قبرستان ہے جس میں تقریباً پچاس سال سے تدفین کا سلسلہ موقوف ہے اور اس کے ذمہ داروں نے مذکورہ قبرستان مسجد میں وقف کردیا ہے، دریافت کردہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا اس قبرستان کی جگہ کو مسجد کی توسیع میں استعمال کرسکتے ہیں، واضح رہے کہ اس قبرستان کی قبریں نہایت بوسیدہ ہوچکی ہیں اور ذمہ داران قبرستان نے دوسری جگہ تدفین کا سلسلہ شروع کردیا ہے؟

ج: صورت مسئولہ میں جب کہ لوگوں نے اس قبرستان میں دفن کرنا ترک کردیا ہے اور قبریں بوسیدہ ہوگئی ہیں اور غالب گمان یہ ہے کہ میتیں بوسیدہ ہوکر مٹی بن گئی ہوں گی۔